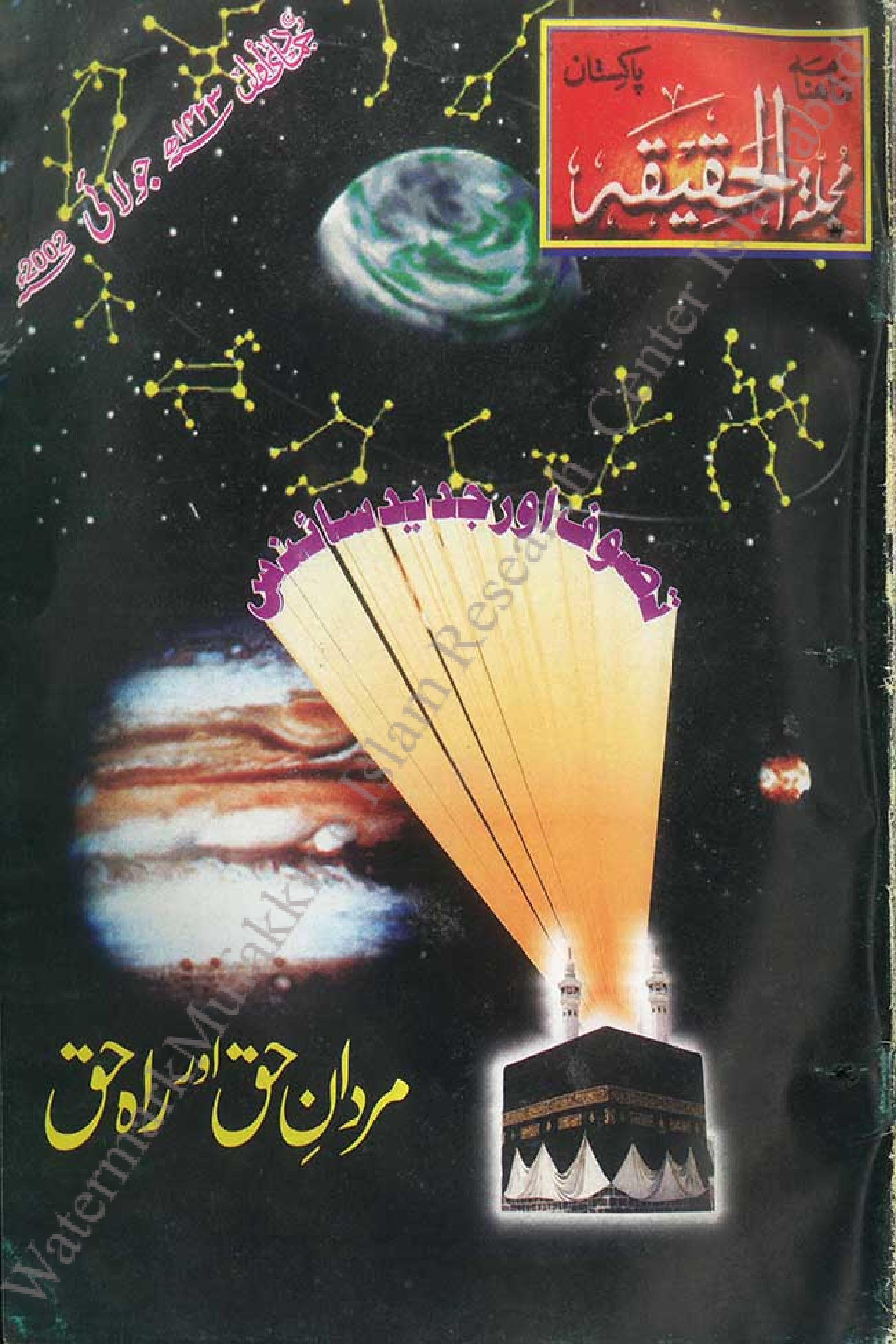

ماہنامہ
مجلۃ الحقیقہ
پاکستان
جمادی الاول ۱۴۲۳ھ جولائی 2002ء
تصوف اور جدید سائنس
مردانِ حق اور راہِ حق

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر محمد حسین آسی

ان کے حسن و جمال کی باتیں
ذوق قرب و وصال کی باتیں

ایک وہ ہیں حقیقت ابدی
باقی خواب و خیال کی باتیں

آسمان و زمین میں گونجی ہیں
ان کے فضل وکمال کی باتیں

ڈوب جا ان کے بحر رحمت میں
چھوڑ گرد ملال کی باتیں

ان کی دھن، ان کا شوق، ان کا وصال
ہیں یہی وجد و حال کی باتیں

سہم جاتے ہیں بادشہ سن کر
ان کے جاہ و جلال کی باتیں

سیکھ صدیق رضی اللہ عنہ سے وفاداری
کر نہ مال و منال کی باتیں

جان دے کر منالے جاناں کو
کیا ہیں یہ قیل و قال کی باتیں

اپنے دل کو جو زندہ کرنا ہے
کر خبیب وبلال رضی اللہ عنہ کی باتیں

نجدیوں کو خدا ـــ کرے
ہر گھڑی اختلال کی باتیں

آسی کرتا ہے شیخ سے سن کر
شاہد ذوالجلال کی باتیں

یاایھاالنبی جاھدالکفار والمنافقین واغلظ علیھم
اے نبی! جہاد کرو کافروں اور منافقین سے اوران پر سختی کرو (التوبہ ۷۳)

ماہنامہ
مجلہ الحقیقہ پاکستان

جمادی الاول ۱۴۲۳ھ جولائی 2002 جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 9

زیر سرپرستی
مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی

مدیر منتظم	مدیر مسئول	مدیر اعلیٰ
شمس الدین نقشبندی	ابوطلحہ نوری	شجاعت علی مجاہد

مجلس مشاورت
صاحبزادہ نور المصطفیٰ رضوی
علامہ شفقات احمد نقشبندی
ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری — محمد رضاء الدین صدیقی

زیر اہتمام: حاجی اخلاق احمد نقشبندی

مشیر قانون
غلام فرید چوہدری — ایڈووکیٹ ایم اے۔ ایل ایل بی لاثانی مجیریا کورٹ
غلام محی الدین خان — ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور

زر تعاون
پاکستان (فی پرچہ) 10 روپے سالانہ بذریعہ ڈاک -/124 روپے
یورپ (فی پرچہ) 1 پونڈ
یو ایس اے (فی پرچہ) 1.5 ڈالر
عرب ممالک (فی پرچہ) 3 ریال
سالانہ چندہ — 10 پونڈ
سالانہ چندہ — 15 ڈالر
سالانہ چندہ — 30 ریال

عکس الحقیقہ

برائے رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی، انچارج دفتر الحقیقہ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ

کمپوزنگ: عرفات کمپوزنگ سینٹر جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور

پبلشرز: پروفیسر محمد حسین آسی نے احمد دین پرنٹرز داتا مارکیٹ لاہور سے چھپوا کر مرکزی دفتر مجلہ الحقیقہ نقش لاثانی نگر، شکر گڑھ فون نمبر: 451734 (نارووال) سے شائع کیا

کلمۃ الحقیقۃ

ادار یہ

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس۔۶۲)

سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم

ایک کھلا خط

بخدمت جناب صدر صاحب اسلامی جمہوریہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب والا گذشتہ دنوں اخبارات میں ایسی خبریں پڑھ کر سخت پریشانی ہوئی ہے کہ آپ کی حکومت کے ایک نمائندے نے سپریم کورٹ میں "سود" کے موضوع پر نہایت ہی کافرانہ لہجے میں از حد باغیانہ باتیں کی ہیں۔ ہم تو آپ کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے، اگر اس قسم کے نمائندے ہی آپ کے نمائندے ہیں تو ڈر ہے آپ کی قیادت میں پوری قوم عذاب میں مبتلا نہ کر دی جائے۔ از راہ کرم اس قسم کے ہرزہ سراؤں کو کیفر کردار تک پہنچا کر اپنے رب کو راضی کیجئے، اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خوش کیجئے اور اسلام سے اپنی مکمل وفاداری کا ثبوت دیجئے۔

خدارا حسینانِ مغرب کے شتر غمزوں سے جان چھڑائیے اور قوم کے کسی آسمانی وناگہانی طوفان سے دوچار ہونے کی صورت پیدا نہ ہونے دیجئے۔

آپ کے منہ پھٹ نمائندے کی خرافات اتنی افسوسناک ہے کہ تردید کی نظر سے بھی نقل کرنے کی ہمت نہیں، نیز یہ کہ ساری قوم کو پہلے ہی پتا ہے، اُمید ہے آپ کو بھی ہوگا۔

کیا اسی واقعے کی نحوست نہیں کہ اس کے ایک دو دن بعد واجپائی کا بیان آ گیا۔

"لڑے بغیر فتح مل گئی، جنگ نہیں کرینگے" (نوائے وقت۔۱۸۔جون ۲۰۰۲ء)

افسوس یہ بھی ہے کہ حکومت کے کسی نمائندے نے اس کا جواب نہیں دیا۔ ہمیں تو آپ کے ناخن عقدہ کشا سے یہ توقعات تھیں کہ قوم دہشت گردی سے نجات پائے گی، مہنگائی کے گرداب سے نکلے گی، مرد مجاہد کی حیثیت سے قوم کو غیرت سے مالا مال کر دیں گے، ذرائع ابلاغ کو بلکہ پوری ملکی فضا کو فحاشی سے پاک کر دیں گے۔ مگر آج تک ہر خواب حقیقت کا روپ دھارنے کی بجائے زیادہ دہشتناک ہو رہا ہے۔ قوم کو قرضوں سے نجات دلانا تھی مگر وہ مزید پھنس رہی ہے۔ محکمہ تعلیم جس عورت کے سپرد کیا ہے، وہ بُش کی ممدوحہ ہے یعنی اس کے اشاروں پر ناچنے

والی، جسے خزانے پر بٹھایا ہے شاید وہ بھی سانپ ہی ہے۔

جس دور میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس دور کے سلطان سے کوئی بھول ہوئی ہے

ازراہِ کرم! اپنے پاؤں پر مضبوطی سے کھڑے ہو کر کتاب وسنت کا دامن مضبوطی سے تھامئے اور وزیراعظم ملائشیا مہاتیر محمد کی طرح پوری آواز سے نعرہ لگایئے۔

پاکستان بنیاد پرست اسلامی ملک ہے
اے کاش آپ سمجھیں اور بروقت سمجھیں

گدائے حضور نقشِ لاثانی
آسی

امریکہ اور انسانی حقوق

امریکہ خود کو تہذیب کا امام، دنیا کی قوموں کا قائد اور انسانی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بالکل اس کے برعکس ہے اور تہذیب وانسانیت کا سب سے بڑا دشمن، بلکہ شاید تاریخ کا سب سے بڑا ظالم بھی ہے۔

نوائے وقت مورخہ ۵۔ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ (۱۷ جون ۲۰۰۲ء) کی درج ذیل خبر پڑھ کر صحیح صورت حال کا اندازہ لگایئے۔



روز پیر ۵ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ ۱۷ جون 2002ء (نوائے وقت)

آہ حضرت مولنا محمد ضیاء اللہ قادری انتقال فرما گئے

اہل اسلام خصوصاً اہل سنت کیلئے یہ حادثہ نہایت ہی دلگداز اور جانکاہ ہے کہ عاشق رسول، تحقیق، مناظر اسلام، خطیب پاکستان حضرت علامہ مولانا ضیاء اللہ خاں قادری ملتان کے تبلیغی سفر کے دوران انتقال فرما گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)۔

آپ نہایت بلند پایہ خطیب، مبلغ، مناظر اور مصنف تھے، آپ کی تبلیغی، تقریری اور تحریری کاوشوں کی بدولت کئی لوگوں کو بدعقیدگی سے نجات ملی۔ اُن کے جانے سے جو کمی آئی ہے، ایک مدت تک محسوس کی جائے گی۔

ہماری دُعا ہے اللہ تعالیٰ اُنہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے اور ان کے جانشین صاحبزادہ محمد حامد صاحب کو اُن کے نقش قدم پر چلائے۔

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

بھاگتے ھیں تجھ سے سارے دُشمنانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(تقریباً تیس سال پہلے کی ایک نا تمام نظم پروفیسر محمد حسین آسی صاحب کے قلم سے مولانا ضیاء اللہ قادری صاحب کے نام)

اے ضیاء اللہ، اے مداحِ شانِ مصطفیٰ
تیری ہستی ہے دلیل مادجانِ مصطفیٰ

مٹ نہیں سکتا زمانے میں ترا نام ونشاں
جب ترا عنوان ہے نام ونشانِ مصطفیٰ

تیری خوش بختی ہے، ایسے لوگ ہیں تیرے عدو
بھیڑیئے کہتی ہے جن کو خود زبانِ مصطفیٰ

قدسی کیوں بوسے نہ لیں تیرے لبوں کے اے عزیز
تجھ کو بخشا ہے مقدر نے بیانِ مصطفیٰ

واہ وا اے سائل محبوب رب العالمین!
مرحبا اے فیضیاب آستانِ مصطفیٰ

افتخار قادریت شمع بزم رضویت
شاد باش اے عندلیب بوستانِ مصطفیٰ

تجھ پہ نازاں ہیں یقیناً حضرت شیخ الحدیث
یعنی جو خود بھی ہیں فخرِ عارفانِ مصطفیٰ

اس تصور میں بڑی تسکین ہے میرے لیئے
میں ہوں آسی مدح خوانِ مدح خوانِ مصطفیٰ

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

پروفیسر محمد حسین آسی

(قسط نمبر ۱۹)

غرض عقیدہ توحید کی حفاظت اور بندے کے اپنے سچے خدا کے ساتھ تعلق کی مضبوطی وپختگی کیلئے از حد ضروری ہے کہ مخلوق کیلئے اپنی بارگاہ میں پہنچنے کا وسیلہ جو خود اس نے بتایا ہے، اس کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے دی جائے۔ یہی عقیدہ رسالت ہے۔ رسالت کے واسطے کو بھی معاذ اللہ شرک سمجھنا دراصل رسالت ہی کا انکار ہے اور ایسا کرنے والے توحید کو تو کیا پائیں گے ،کفروشرک کے ایسے گہرے کنوئیں میں گر جائیں گے کہ "چاہ جہنم" کے سوا اس سے نکلنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ بریلی کے رئیس العاشقین علیہ الرحمہ کا فرمان بھی سن لیجئے۔

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

اسی واسطے کے حوالے سے مؤمن اور کافر کا فرق بتاتے ہیں۔

مؤمن ان کا کیا ہوا، اللہ اس کا ہو گیا
کافر ان سے کیا پھرا اللہ ہی سے پھر گیا۔

بلکہ اس سے بھی آگے۔

وہ کہ اس در کا ہوا خلق خدا اس کی ہوئی
کافران سے کیا پھرا، اللہ اس سے پھر گیا

مگر یہ تو مجدد تھے چودھویں صدی کے، آیئے شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ کی طرف ، انہوں نے بار بار اس شعر کو اپنے مکتوبات شریفہ کی زینت بنایا ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کآبروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراُو

یعنی حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو دونوں جہان ہی کی عزت وآبرو کا اصل ہیں، جو بدنصیب اُن کے دروازے کی خاک نہیں بننا چاہتے۔ اُس کے سر پر خاک پڑے (اور وہ تباہ وبرباد ہو جائے)

حضرت شیخ مجدد بلکہ شیخ المجددین رضی اللہ عنہم نے اسی واسطہ ورسالت (یا دوسرے لفظوں میں عقیدہ رسالت) کی تفسیر کرتے ہوئے یہ نعرہ مستانہ لگایا ہے۔

محبتِ من بحضرت حق سبحانہٗ ازاں جہت است کہ اوتعالیٰ رب محمد است صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ۔ میری محبت حق تعالیٰ سے اس لئے ہے کہ وہ (حق) تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے۔

شاید کسی فکر خودسر کو یہ شبہ پریشان کرے کہ حضرت مجدد نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ تو میں عرض کرتا ہوں "سورۃ الکفرون" پر غور کر لیجئے، اس کا لب لباب بھی یہی ہے۔ بلکہ حضرت مجدد صاحب کے سامنے ممکن ہے، اس وقت یہی ہو۔

قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُونَ ۝ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۝

ترجمہ۔ تم فرماؤ اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں۔

گویا ایک معبود وہ ہے جسے کافر پوجتے ہیں تو اللہ کے سوا جس جس کو بھی کافر پوجتے ہیں اُسے اللہ کا رسول نہیں پوجتا۔ ایک ہے رسول کا معبود یعنی خود اللہ تعالیٰ جسے پوجنے سے کافروں کو انکار ہے۔ اللہ کا رسول کافروں کے ہر معبود باطل کو باطل سمجھتا ہے اور صرف اپنے اللہ کو عبادت کے اہل جانتا ہے۔ اس کے برعکس کفار اپنے معبودوں کو عبادت کے لائق جانتے ہیں، حق مانتے ہیں، خدا اور خدائی میں شریک گردانتے ہیں۔ اس صورت حال میں سچے معبود کی پہچان یہ کہ رسول اسی کا پجاری ہے، جھوٹے معبودوں کی پہچان یہ کہ کافر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ مؤمن سچے اللہ کی بندگی کرتا ہے تو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاکر، اس کے حوالے سے اس کے بتانے سے، اس کے ذریعے پہچان کر، کافر سچے خدا کی عبادت پر قانع نہیں ہیں کیونکہ ان کا اللہ کے رسول سے واسطہ نہیں، رابطہ نہیں۔ یقیناً معبود وہی سچا ہے جس کی عبادت رسول کرتا ہے اور معبود وہی باطل ہے جس سے رسول کو انکار ہے۔ کافروں کے سینکڑوں دین ہیں۔ یہ سب غلط ہیں ان کے مقابلے میں ایک سچا دین ہے اور اس کی پہچان یہی ہے کہ اللہ کے رسول کا دین ہے۔ کافروں کے ہر دین کی نسبت انہیں کافروں سے ہے مگر سچے دین کی نسبت اللہ کے رسول سے ہے۔ اسی حقیقت کو اسی سورت کے آخر میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝ (الکفرون۔٦)

ترجمہ۔ (اے کافرو!) تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین (یعنی اللہ کے رسول کیلئے اس کا اپنا سچا دین)

مختصر سچا معبود اللہ جس کی پہچان یہ کہ وہ رسول کا معبود ہے۔

جھوٹے معبود کافروں کے، جتنے بھی ہیں۔

سچا دین اسلام کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے اور یہی اس کی پہچان ہے۔

جھوٹے دین کافروں کے کہ وہ انہیں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ سچے دین کو اللہ کا دین بھی کہا جاتا ہے کہ اسی نے اُتارا ہے، چنانچہ اسی سے اگلی صورت میں ہے۔

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (النصر۔٢)

ترجمہ۔ اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں۔

جلال الدین اکبر جیسے ملحد اپنے دینوں کا نام دین الٰہی رکھتے پھریں، حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اور حقیقت کیا ہے، یہی کہ اللہ کا دین وہ ہے جو رسول کا دین ہے،

اللہ دین اتارنے والا، رسول وہ جس پر دین اترا، دین جو اتارا گیا یا اترا ایک ہی ہے۔

پھر چونکہ اہل ایمان اس دین پر چلتے ہیں، ان کی طرف بھی

نسبت درست ہے، چنانچہ قبر میں جو سوالات ہوں گے ان میں دوسرا یوں ہوگا۔

مَا دِینُكَ (تیرا دین کیا ہے؟)

اور مؤمن اس کے جواب میں کہتا ہے۔

دِینِیَ الْاِسْلَامُ (میرا دین اسلام ہے)

(احمد، ابوداؤد)

بہر حال دینِ حق کو اتارنے والے اللہ کی طرف نسبت کریں یا اس پر چلنے والے اہل ایمان کی طرف، اس کی پہچان یہی ہے کہ یہ اللہ کے رسول کا دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر خطیب خطبہ وغیرہ میں یہ دعا کرتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِینَ مُحَمَّدٍ

وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِینَ مُحَمَّدٍ

ترجمہ۔ اے میرے اللہ اس کی امداد فرما جو دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد کرے اور اس کو ذلیل کر کے رکھ دے جو دینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (معاذ اللہ) ذلیل کرنے کیلئے کوشاں ہو۔

دین کی بات آپ نے سن لی (یعنی یہ کہ اس کی پہچان نسبت رسولی سے ہوتی ہے) اب آیئے عرفانِ حق کی طرف۔ خدا کی پہچان بھی یونہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے الفاظ میں

اُوتعالیٰ رب محمد است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(وہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے)

بلا شبہ وہ رب العالمین ہے، رب العرش ہے۔ رب السمٰوٰت ہے، رب الکعبہ ہے، مگر اس کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ وہ رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اسی حقیقت کو اُجاگر کیا گیا ہے، قرآن ابدی میں جا بجا اور بار بار ربک (تیرا رب) فرما کر۔

سیدھی سی بات ہے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خدا پر ایمان اس پہچان سے نہیں لائے کہ وہ آسمانوں، زمینوں، جنوں، فرشتوں، انسانوں، کا رب ہے، یا عرش وکعبہ کا رب ہے، وہ صرف اور صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مان کر ان کے بتائے ہوئے رب پر ایمان لائے ہیں یعنی رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مان کر۔ یہ سب کچھ موجود تھا، اپنی آنکھوں سے مظاہر فطرت اور مناظر قدرت دیکھتے تھے۔ ایمان نہیں لائے، بلکہ دیکھنے والے انہیں دیکھتے تھے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا رب کون ہے۔ اب جو انہوں نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب مان لیا تو معلوم ہو گیا، چاند سورج ستارے، زمین، دریا، سمندر، پہاڑ آسمان عرش وکعبہ سب مخلوق ہیں اور ان سب کا رب، رب واحد یعنی رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ذرا خیال فرمایئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفان حقیقت کا کیا منبع ہیں کہ آنکھوں سے ہر روز بلکہ ہر آن دیکھی جانے والی چیزیں بھی پہچان سے باہر تھیں تو جسے قیامت سے پہلے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس ان دیکھے کی، اس غیب الغیب کی پہچان

> جس طرح رب العلمین کو رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا وسیلہ معرفت کے طور پر بھی ہے یونہی ہر دور میں اللہ کی پہچان اس دور کے نبی کا نام لے کر بھی ہوتی رہی ہے

کیونکر ہوتی اب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تو خدائی کی پہچان بھی ہوگئی، خدا کی بھی، مخلوق کی پہچان بھی ہوگئی خالق کی بھی، بلکہ وجہ تخلیق کی بھی پہچان ہوگئی، مادہ تخلیق کی بھی، ان چیزوں کے آغاز کی خبر بھی ہوگئی، انجام کی بھی، یہ ہیں جناب محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء جو ازل سے ابد تک اپنے خالق کے، اپنے مالک کے، اپنے منعم کے، اپنے رب کے سب سے بڑے عارف ہیں، سب سے بڑے وسیلہ عرفان ہیں اور جن کا واسطہ نہ ہو تو نہ خدا کی پہچان آتی ہے نہ مخلوق کی، بلکہ جس کو جس کی جتنی، جب جیسی بچی پہچان ہوئی اسی عارف واحد و یکتا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہوئی۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّل مخلوق ہیں، غالباً اس کی بحث گذشتہ قسطوں میں آ چکی ہے۔ یہاں یوں سمجھو اللہ نے سب کچھ بنایا مگر سب سے پہلے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دانا و بینا فرمایا۔ باقی سب کچھ بنایا تو اس وقت خدا بنانے والا موجود تھا یا مصطفیٰ سننے، دیکھنے، جاننے والے موجود تھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لہٰذا مخلوقات کے حقائق اللہ عالم الغیب جانتا ہے کہ اُسی نے انہیں بنایا اور اس کے فضل سے اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں جنہوں نے ان حقائق کو بنتے دیکھا۔ ہاں ہاں سب کچھ بنانے والا خالق واحد ہے اور دیکھنے والا رسول شاہد۔ یہ دنیا میں آنے کے بعد شاہد نہیں ہوا بلکہ مشاہد بنا کر ہی بھیجا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدً ۔۔۔ الخ (الاحزاب)

ترجمہ۔ اے نبی ہم نے تمہیں شاہد (یعنی مشاہدہ کرنے والا) بنا کر بھیجا بہر حال خدا کی مخلوق میں خدا کا اور مخلوق کا سب سے بڑا مشاہد ہی سب سے بڑا گواہ ہے لہٰذا الصادق بھی ہے، الامین بھی اور یوں اس کے فیصلے کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت ہے نہ کسی تحقیق و تدقیق کی، فلاسفہ لاکھ سر ماریں، سائنسدان لاکھ تحقیق کریں مگر اس شاہد کا جواب کیونکر، سچ فرمایا تھا اکبر الہ آبادی نے

برسوں فلاسفہ کی چناں وچنیں رہی
لیکن نبی کی بات جہاں تھی وہیں رہی

میں نے عرض کیا

نبوت کے سوا سائنس نہ حکمت پر بھروسا کر
ترے مقصود سے نا آشنا وہ بھی ہے اور یہ بھی

مگر یہ تو نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی شاہد اعظم اور عارف اعظم ﷺ، ان کے علاوہ بھی ہر نبی اپنی اپنی شان کے مطابق شاہد ہے اور عارف۔ جس طرح اللہ کی پہچان کا سب سے بڑا وسیلہ یہ رسول اعظم و نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اسی طرح اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ہر نبی و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اللہ کی معرفت کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ اور جس طرح رب العلمین کو رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنا وسیلہ معرفت کے طور پر بھی ہے یونہی ہر دور میں اللہ کی پہچان اس دور کے نبی کا نام لے کر بھی ہوتی رہی ہے۔ مثلاً نوح علیہ السلام کے دور میں اللہ کی پہچان ربِّ نوح کہہ کر اور ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ربِّ ابراہیم کہہ کر بھی ہوتی رہی ہے۔

یونہی فرعون کے دور میں خدا کی سب سے بڑی پہچان اہل زمانہ کیلئے یہی تھی کہ وہ موسیٰ و ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ چنانچہ جب فرعون ان کے مقابلے میں جادوگروں کا ایک بڑا گروہ لایا اور انہوں نے کمال نبوت دیکھا تو سب سچے دل سے اسلام لے آئے۔

اس وقت کا حال قرآن پاک سے پوچھیے۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ۝ (طٰہٰ۔۷)

ترجمہ۔ تو سب جادوگر سجدے میں گرائے گئے، بولے ہم اس پر ایمان لائے جو ہارون اور موسیٰ کا رب ہے۔

یاد رہے یہاں گرائے گئے سے مراد ہے توفیق ربانی سے گرائے گئے، کیونکہ مفسرین کے بقول اُنہیں موسیٰ علیہ السلام کے ادب کی وجہ سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ ادب یہ تھا کہ اُنہوں نے رسیوں کو آپ سے اجازت لے کر پھینکا تھا۔

بات پھیلتی پھیلتی دُور تک پہنچ گئی مقصود تو صرف یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عرفان کا سب سے بڑا وسیلہ ہوتا ہے۔ اگر نبی سے تعلق ہے تو بندہ مؤمن بھی ہے، عارف وموحد بھی اور اگر خدانخواستہ یہ تعلق ہی نہ رہے تو نہ مؤمن، نہ عارف اور نہ موحد۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق ہی گویا ایمان کی اصل ہے اور ایمان کی جان۔

نبی سے تعلق کیا ہے، اس کی محبت۔ اب فرمایئے محبت یا تعلق کمالات کے اقرار سے پیدا ہوتا ہے یا انکار سے۔ جو لوگ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اسی دُھن میں رہتے ہیں کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا انکار کس کس بہانے سے کریں، وہ اگر محبت رسول ﷺ کا دعویٰ بھی کریں تو محض دعویٰ ہے، نفاق ہے، تکلف ہے اور مصلحت۔ انکی باتیں سنیں تو رات

دیوبند کے حکیم الامت اشرفعلی صاحب تھانوی کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں ایک آیت بھی یاد نہیں

دن یہی شور وغل یہی غوغا آرائی اور یہی ہرزہ سرائی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو ایسا کیوں ہوتا، ویسا کیوں ہوتا۔

اگر حاضر وناظر ہوتے تو یوں کیوں ہوتا اور ووں کیوں ہوتا اگر کسی کی امداد کر سکتے تو فلاں کی کیوں نہیں کی۔

کیا یہ طرزِ تکلم واضح نہیں کر رہا کہ انہیں ایمان سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کے دل کے کسی دور ودراز گوشے میں بھی خدا کا ڈر نہیں اور نبی کی شرم نہیں، ان کے دل بے نور ہیں، جانیں تاریک اور زبانیں زہریلی، جس طرح ان کا سلام محض دعویٰ کی حد تک ہے، یونہی ان کی انسانیت محض شکل کی حد تک ہی ہے۔ انہوں نے کلمہ توحید کے سوا کبھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف نہیں کی (اگر انہیں کہیں سے معلوم ہو جاتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضور کی نعت ہے تو شاید اسے بھی چھوڑ دیتے)۔

ان کے قال وحال کا جو نقشہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کسی گمان وقیاس کا نتیجہ نہیں، بلکہ مدتوں سے ان سے واسطہ رہا اور قریب سے انہیں دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا۔

چنانچہ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں فارسی کے ایک لیکچرار ہوتے تھے جو وہیں سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ مجھے چار سال ان سے پڑھنے کا اتفاق ہوا پھر ان کے رفیق کار اور پھر

ان کے ماتحت رہا۔ ہر دور میں چپقلش جاری رہی۔ رفیق کار ہونے کے دور میں ایک بار اُن سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی تو میں نے دوران بحث بات کاٹتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

اُستاذ گرامی! آپ کے پاس بڑی لمبی فہرست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں (معاذ اللہ) فلاں فلاں کمال نہیں تھا۔ کیا آپ کی نظر میں کوئی کمال تھا بھی؟

فرمانے لگے "ہاں کمال بھی تھے" میں نے عرض کیا کبھی آپ نے بیان بھی کیے، کہنے لگے "ہاں! کرتے ہیں" میں نے کہا اچھا! پھر اب کرکے دکھائیں" (یعنی کسی کمال کا ذکر)

خدا کی قسم! پروفیسر صاحب جو بڑے بڑے علماء کو بزعم خود خاطر میں نہیں لاتے تھے، مہر بلب ہوگئے اور ایک جملہ بھی ان کی زبان باطل ترجمان سے ادا نہیں ہوا۔

مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اللہ کریم نے ان کے دل سے ایمان اور ان کی زبان سے ثنائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توفیق سلب کرلی ہے۔

جو زبان سے اقرار مگر دل میں انکار رکھے وہ منافق

ایسا ہی ایک واقعہ اشرف السوانح، سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ دیوبند کے حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی سوانح عمری ہے۔

"اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کیلئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بیان کیے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دُور ہو۔ یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں حضرت والا نے بادب عرض کیا کہ اس کیلئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایت مجھ کو مستحضر نہیں، (اشرف السوانح جلد ا، ص ۷۹)

اس واقعہ پر غور فرمایا آپ نے؟ حضور پُرنور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بزرگانِ دیوبند کے نزدیک ایمان کا نہیں، مصلحت کا تقاضا ہے۔ گویا وہ جب بھی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں، اللہ کو راضی کرنے کیلئے نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے کرتے ہیں۔ چلو مصلحت ہی کا تقاضا سہی، دیوبند کے حکیم الامت اشرفعلی صاحب تھانوی کو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں ایک آیت بھی یاد نہیں ایک حدیث تک یاد نہیں۔ یہ ہے مبلغ علم اس کا جو حکیم الامت ہے۔ یقیناً یاد نہیں ہوگی۔ مگر فضائل کے خلاف انہیں ذرا چھیڑ کر دیکھئے، بقول غالب

"اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے"

انصاف کیجئے، کیا یہ سب کچھ بغض رسول ہی نہیں؟ کیا محبت کا یہی تقاضا ہے؟ آیئے اہل محبت کے مدرسے میں اور کسی ابتدائی جماعت کے طالب علم سے پوچھ کر دیکھئے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں آیتیں؟

وہ آپ کو **اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ** ٥ سنادے گا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ کی تلاوت کردے گا

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ٥ پوری سورت نعت کے مضامین کا سرچشمہ ہے۔

ہمارے ہاں ختم شریف میں ہر چھوٹا بڑا پڑھتا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وغیرہ وغیرہ

یہاں چھوٹا سا مبتدی اتنی آیات سنادے گا کہ آپ دنگ رہ جائیں اور دیوبند کا منتہی بلکہ جامع المجددین اور حکیم الامت تک کو جس کی سوانح عمری کا نام بھی اشرف السوانح (یعنی بہترین سوانح عمری) ہے ایک آیت یا حدیث بھی یاد نہیں۔

فرق کیوں؟ ایک مؤمنوں کا مدرسہ ہے اور دوسرا مصلحت کیشوں کا۔ مؤمن ایمان اور اس کے مقتضیات سیکھتے سکھاتے ہیں، یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جان ایمان مانتے ہیں اس لئے ایمان کو مضبوط کرنے کیلئے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت سکھاتے ہیں، منافق نفاق کی اشاعت کرتے ہیں، ان کا اپنا انداز ہے۔

میں نے ایک بار ہزاروں کے مجمع میں پوچھا تھا کہ

''اگر مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی فضیلت بیان کروں تو بتاؤ کسے تکلیف ہوگی، جواب آیا دیوبندیوں کو۔

پھر پوچھا، اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح وثنا تو کسے تکلیف ہوگی؟ جواب ملا غیر مقلدین کو

پھر سوال کیا اگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی تعریف کروں تو کون جلے گا؟

کہا گیا ''خارجی''

پھر عرض کیا ''اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توصیف کروں تو کون کانٹوں پر لوٹے گا''

بولے ''رافضی''

آخر میں پوچھا بتایئے جب میں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پڑھوں، فضائل بیان کروں، کمالات کا چرچا کروں تو کسے رنج ہوگا؟۔

سب نے بلند آواز سے کہا ''کافر کو''

بالکل ٹھیک ہے، یقیناً کافروں کی دو ہی قسمیں ہیں۔

جو علانیہ کفر کا اقرار کرے، وہ کافر اور

جو زبان سے اقرار مگر دل میں انکار رکھے وہ منافق، منافق نماز بھی پڑھ لیتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے، صدقات بھی دیتا ہے، بظاہر پابندِ سنت بھی ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود منافق کا منافق ہی رہتا ہے۔

کیونکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کی بجائے مصلحت ہی اس کا مقصود ہوتی ہے۔

بات چلی تھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُمتی کے تعلق کی تو ظاہر ہے، اس کی علامت کمالات رسالت کا اقرار ہے۔ جنہیں دیکھ کر کافر دائرہ ایمان میں آتے تھے۔ اور اس تعلق کو مضبوط کرنا ہے تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد کرو، راحت ورنج میں انہیں پکارتے جاؤ، کسی حال کو اُن سے اوجھل نہ جانو اور کسی وقت انہیں بے خبر نہ سمجھو، لہٰذا

نعرہ رسالت جو بڑے اہتمام سے امت میں جاری وساری کیا گیا، پھر اسے بڑے اہتمام سے زندہ رکھا گیا (جیسا کہ گذشتہ قسط میں گزرا) اور ہر دور میں گونجتا رہا، لگاتے جاؤ، لگاتے جاؤ۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد کرو، راحت ورنج میں انہیں پکارتے جاؤ، کسی حال کو اُن سے اوجھل نہ جانو

سیرت طیبہ کا پیغام
عصرِ حاضر کے نام

محمد نور المصطفیٰ

بگڑے ہوؤں کو کس نے سنوارا تیرے بغیر
ڈوبے ہوؤں کو کس نے ابھارا تیرے بغیر
ہر جزوِ کائنات کو ہے تیری احتیاج
ہوتا نہیں کسی کا گذارا تیرے بغیر
(اعظم چشتی)

نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کیلئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ سے زائد نفوس قدسیہ تاج نبوت پہن کر آئے اور انہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنا فرض منصبی باحسن طریق سرانجام دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو سال کا زمانہ فیضِ نبوت سے محروم رہا۔ جس کے نتیجہ میں ساری دُنیا کفر وضلالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی۔ مختلف قبائل میں معمولی باتوں پر تصادم ہوتا اور کئی نسلوں تک قتل وغارت کا بازار گرم رہتا۔ انسانی معاشرہ طبقاتی کشمکش کا شکار تھا اور ہر طبقہ اپنے سے زیر دست طبقے کا خدا بنا ہوا تھا۔ کمزور اور بے کس طاقتوروں کے ہاتھوں کچلے جا رہے تھے۔ بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا، اخلاقی پستی، جنسی بے راہروی اور نفس پرستی، وبا کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ خدائے واحد، لاشریک سے منہ موڑ کر انسان ہر جگہ ذلیل وخوار ہو رہا تھا۔ طبقہ واریت، قومیت اور امتیاز نسل ونسب نے انسانی معاشرے کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اس جنون میں سرشار قومیں اور قبیلے ہمیشہ ایک دوسرے سے دست بگریباں رہتے تھے اور دھرتی کا چہرہ ابن آدم کے لہو سے لالہ گوں تھا۔

ایسے میں رحمت خداوندی جوش میں آئی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو پیغام شفا دے گئی۔ رحمت رب ذوالجلال کے مہر ومنور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی نورانی کرنوں سے کرہ ارضی کے ذرہ ذرہ لا کو روشن کر دیا۔

پہلے انبیاء کرام کا دائرہ رشد وہدایت زمان ومکان کے لحاظ سے محدود تھا۔ لیکن ختم الرسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام نوع انسانی کیلئے ہادی، ورہنما بن کر تشریف لائے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

(القرآن)

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ہر نبی اپنی امت کیلئے رحمت تھا مگر نبی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت تمام مخلوق کو اپنے دامن رحمت میں لیے ہوئے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کیلئے بشیر اور نذیر ہی بنا کر بھیجا ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نہ صرف انسانوں کے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔

وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً۔ (الحدیث)

اور میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی خاتمیت اور آفاقیت کے تقاضے کے عین مطابق آپ کی سیرت طیبہ ایسی جامع اور مکمل سیرت ہے جس میں نوع انسانی کیلئے ہر شعبہ حیات میں ہدایت و رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کریم نے حضور تاجدار ختم نبوت علیہ التحیۃ والثناء کی سیرت طیبہ کو تمام انسانوں کیلئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (القرآن)

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں بہترین نمونہ کمال (نمونہ حیات) موجود ہے۔

عقائد وعبادات سیاسیات ومعاملات، معاشیات واقتصادیات غرضیکہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کیلئے سیرت مطہرہ مشعل راہ کا کام نہ دیتی ہو۔

اور یہی وجہ ہے کہ آپ نوع انسانی کے محسنِ اعظم قرار پاتے ہیں چنانچہ ایک غیر مسلم مفکر ڈاکٹر ایڈورڈ مونٹے لکھتا ہے۔

''دنیائے اعمال کی فضاء ہستی میں آپ (ﷺ) ہی ایک نادر وجود ہیں، آپ ہی کی ہستی مفصل و مسرح ہے جس کے حالات ہم تک صحیح اور بالتفصیل پہنچے۔ انسانی اخلاق کی اصلاح آپ نے فرمائی۔ اجتماعیت کے اندر جو انقلاب آپ کی تعلیم نے پیدا کیا سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کیلئے جو اسوہ حسنہ آپ نے پیش کیا وہ آپ کو انسانیت کا محسن اول قرار دیتا ہے۔ (بحوالہ معجزات اسلام ص ۶۷)

پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی محفوظ ہے تو وہ حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس زندگی ہے، پھر آپ کے سوانح حیات جس احتیاط، ذمہ داری اور فرض شناسی کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضور اکرم علیہ التحیۃ والثناء کا بچپن ہمارے سامنے ہے۔ ایام رضاعت، عالم شباب، اعلان نبوت دعوت حق میں جدوجہد، قید وبند کی صعوبتیں، ہجرت، معاہدے، صلح وجنگ، دشمنوں سے حسن سلوک، رشتہ داروں سے صلہ رحمی تجارت، فقر وفاقہ، زہد وتقویٰ اور حکومت وامارت سب کچھ آپ کی حیات طیبہ میں موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بات کرنے اور کھانا کھانے کی ایک ایک ادا سیرت کی کتب میں موجود ہے۔ آپ کی ازدواجی زندگی کے تمام پہلو سیرت میں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا! ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور میں تم سب میں اپنے گھر والوں کیلئے بہت اچھا ہوں۔''

بچوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ عین حالتِ نماز میں امامہ بنت زینب کو گود میں اٹھالیا تاکہ بچی رونے نہ پائے۔ جب رکوع میں گئے تو بٹھادیا۔ اور جب قیام کی طرف لوٹے تو پھر گود میں اٹھالیا۔ گھر کے کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتے، کپڑے پھٹ جاتے تو خود ہی سی لیتے۔ جوتے بھی خود ہی گانٹھ لیتے۔ بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے، مظلوموں کی فریاد سنتے اور انصاف کر کے ان کا حق دلاتے بیماروں کو تسلی دیتے، اور ان کی عیادت کیلئے جاتے، ہمسایوں کی خبر گیری فرماتے اور ان کے ہاں تحائف بھجواتے، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔ اپنے مہمانوں کی خود خدمت کرتے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے کہ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں۔

حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا

نہیں کھایا نیز پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے منع فرماتے تھے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے بُرا برتن جسے آدمی پُر کرتا ہے وہ پیٹ ہے۔ آدمی کیلئے چند لقمے کافی ہیں۔ جو اس کی توانائی کو بحال رکھ سکیں۔ جو ماحضر بھی آپ ﷺ کے سامنے آتا اُسے رد نہ فرماتے۔ پاکیزہ اشیاء میں سے جو بھی آپ ﷺ کے حضور میں پیش کی جاتیں آپ ﷺ انہیں تناول فرماتے۔ البتہ کوئی چیز خلاف طبع ہوتی تو اُسے چھوڑ دیتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کھانے کی تنقیص نہیں فرمائی۔ جب کھانے کو مل جاتا تو شکر کے ساتھ کھالیتے نہ ملتا تو صبر سے کام لیتے۔ کھانے یا پینے سے پہلے ہمیشہ اللہ کا نام لیتے اور فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد فرماتے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو کوئی مشروب پلانا مقصود ہوتا تو ہمیشہ دائیں جانب سے شروع فرماتے۔

وصال کے بعد اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام کو پیوند لگی ہوئی ایک چادر اور پیوند لگا ہوا ایک تہم دکھایا کہ تمہارے رسول اللہ ﷺ نے یہ سامان چھوڑا ہے۔

سیرت طیبہ کا ایک زریں باب خلق مصطفیٰ ہے۔ جسے قرآن حکیم نے خلق عظیم کہا۔ اور رسول کریم ﷺ نے اس کو مقصد بعثت قرار دیا۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ۔ (موطا امام مالک)

میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

اخلاق مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے اخلاق سے نہ صرف عالم انسانیت بلکہ تمام مخلوق الٰہی مستفید ہوتی رہی۔ اور ہوتی رہے گی۔

ایک غیر مسلم مفکر مسٹر مارکس ڈاڈ، حضور ختمی مرتبت ﷺ کے اخلاق کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

''محمد ﷺ آخری پیغمبر ہوئے ہیں۔ آپ کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ آپ کے نزدیک دنیوی وجاہت کوئی چیز نہ تھی۔ آپ جس طرح حسن تہذیب واخلاق سے اچھے کپڑے پہننے والوں کا خیر مقدم کرتے۔ کمتر سے کمتر شخص کی دعوت کو بھی رد نہ فرماتے۔ ہم نہایت احترام سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی ذات سرچشمہ برکت تھی۔

(کتاب وسنت غیروں کی نظر میں از مولانا عبدالحامد بدایونی)

تاریخ انسانی خلق عظیم کی ایک بھی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ جیسی آپ نے فتح مکہ کے موقع پر پیش کی۔ دس ہزار کا مسلح لشکر آپ ﷺ کے ساتھ ہے۔ کفار بالکل بے بس اور دس ہزار تلواروں کے نرغے میں ہیں مکافات عمل کا فطری قانون انتقام کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن ختم الرسل ﷺ نے کمال رحمت ورافت سے اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو بھی معاف فرمادیا۔ ابوسفیان جو اس وقت تک مخالفت اسلام میں پیش پیش رہے، نہ صرف معافی کا پروانہ حاصل کرتے ہیں بلکہ ان کا گھر جائے پناہ قرار دیا جاتا ہے۔ ایک غیر مسلم ولیم میور آپ ﷺ کے حسن سلوک کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

محمد (ﷺ) اپنے حلقہ اثر اور دائرہ حکومت میں ہر چند پورے اختیارات رکھتے تھے لیکن پھر بھی مفسدین سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ ہمیشہ رحمدلی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ جب آپ کے مطالبات خوشی سے تسلیم کرلیے جاتے تو آپ ﷺ دشمنوں سے بھی حسن سلوک سے پیش آتے، ابنائے وطن نے جس طرح سرکشی کی وہ ایک ظالم حکمران کیلئے کافی وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ ان سب کو تباہ وبرباد کر دیتا۔ لیکن محمد (ﷺ) نے سوائے چند مجرموں کے باقی سب کو معاف فرمادیا۔ اور تمام گزشتہ مظالم پر خاک ڈال دی۔ آپ کا تحمل اخلاق انسانی کیلئے حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

(قرآن وسنت غیروں کی نظر میں)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے اللہ کریم کے محازم کے سوا کبھی اپنی ذات کیلئے انتقام نہیں لیا۔ آپ کا بدلہ لینا صرف اللہ کیلئے ہوتا تھا۔ یہ ایک قابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ آپ کے حسن اخلاق سے پھیلا اس حقیقت کو غیر متعصب مخالفین اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مسٹر موسیو ادجین کلوفل لکھتا ہے۔

محمد (ﷺ) نے تمام دنیا کو فتح کرنا چاہا۔ مگر غیر مذہب والوں پر کسی قسم کا جبر وستم کرنا روا نہیں رکھا۔ انہیں مذہب اور رائے کی پوری آزادی عطا کی۔ اور ان کے تمدنی حقوق قائم رکھے۔

(اسلام اور علماء فرنگ ص ۹)

حقیقت یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ عفو در گزر سے کام لینے کیلئے جس بلند اخلاقی کی ضرورت ہوتی ہے اس کی نظیر اولین پر سالار افواج اسلام حضرت محمد ﷺ کے علاوہ تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر، میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جاسوسی، فتنہ وفساد، بغاوت اور در پردہ دشمن کی مدد کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مگر ان پر قابو پانے کے بعد انہیں بخش دیا جاتا ہے۔ اور ان کی تمام منقولہ دولت ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح غزوہ حنین وطائف اور سریہ قطبہ وطے کے قیدیوں کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا جاتا ہے۔

غزوہ بدر کے قیدی مسلمانوں کے قبضے میں ہیں اور ان میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ انصار نے اس خیال سے کہ آپ کے قریبی عزیز ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت دیں تو ان کا فدیہ معاف کر دیا جائے آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں ایک درہم بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آپ کی صاحبزادی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالی عنہا حاضر ہوئیں۔ اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے جن پر چکی پینے اور پانی بھرنے کی وجہ سے چھالے پڑے ہوئے تھے۔ اور عرض کی ابا جان! مجھے ایک خادمہ دے دیجئے تا کہ میرا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ عظیم اسلامی مملکت کے سربراہ جن کے اشاروں پر لاکھوں مسلمان جانیں قربان کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ فرمایا بیٹی! خادمہ تجھے نہیں مل سکتی۔ یہ تو مدینہ کے یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کیلئے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ہر آدمی اپنے گھر کا راعی ہے اور گھر والے اس کی رعایا ہیں ہر ملازم اپنے آقا کے مال واسباب پر راعی ہے۔ اور یہ مال واسباب اس کی رعایا ہے۔ پس ہر راعی سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی ہر ہر موقع کیلئے بہترین رہنمائی مہیا کرتی ہے۔ دنیائے عالم کے حکمرانوں اور ملک وملت کے خزانوں پر امین مقرر کئے گئے۔ لوگوں کیلئے سیرت طیبہ کے مندرجہ بالا واقعات بہترین رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حیات انسانی کے ہر شعبہ میں اصلاحات کیں۔ مکہ مکرمہ جہاں آپ کی ولادت مبارکہ ہوئی یہاں کے باشندوں کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسی خاندانی پیشے کو منتخب فرمایا، بعثت سے قبل آپ نے کئی تجارتی سفر کئے اور ہر

طرف حضور ختمی نبوت علیہ التحیۃ والثناء کے حسن معاملہ کا شہرہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے مدبر اور تاجرانہ بصیرت کا سب کو اعتراف تھا۔ ہر شخص یہ چاہنے لگا کہ ختم الرسل ﷺ کو اپنے کاروبار میں شریک کرے۔ تقریباً چودہ برس تک نہایت سرگرمی اور کامیابی کے ساتھ حضور ﷺ نے تجارت فرمائی۔ بعثت کے بعد تبلیغ دین میں منہمک ہونے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے تجارت ہی کو ذریعہ معاش بنائے رکھا، تاجر اور تجارت کی فضیلت میں نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ (ترمذی)

یعنی سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے والا امانتدار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے تجارت میں ایمانداری اور سچائی کو مقدم ٹھہرایا۔ اور ایسی تجارت کو سراہا۔ حضرت نافع بن خدیج سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے اچھی کمائی کونسی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔

آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تجارتی معاملات کیلئے جو بنیادی اُصول دیئے ان کی روشنی میں تاجدار ختم نبوت علیہ التحیۃ والثناء نے جو تفصیلی ہدایات وضع فرمائیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ معاملہ میں ایمانداری۔

۲۔ کسی کی عدم واقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ممانعت۔

۳۔ ناپ تول میں درستگی۔

۴۔ سامان فروخت کی بابت خریدار کو صحیح صورتحال سے آگاہ کرنا۔

۵۔ قرض دار سے نرم برتاؤ اور حسن سلوک۔

۶۔ چور بازاری سے رکنا۔

۷۔ مہنگے داموں اشیاء فروخت نہ کرنا۔

۸۔ احکام خداوندی سے غافل نہ ہونا۔

یہ ایسے بنیادی نکات ہیں جو کاروباری لین دین میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے آئینہ دار اور اُمت مسلمہ کیلئے اسوہ حسنہ ہیں۔

ایفائے عہد میں حضور اکرم ﷺ یکتا تھے جس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے، صحابی رسول حضرت عبداللہ بن ابی الحماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بعثت سے قبل میں نے نبی کریم ﷺ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا۔ معاملہ ابھی ادھورا ہی تھا کہ مجھے کچھ کام یاد آ گیا اور میں حضور ﷺ سے وعدہ کر کے چلا گیا تیسرے روز جب میرا اسی طرف سے گذر ہوا تو حضور اکرم ﷺ کو وہاں موجود پایا۔ حضور نے مجھے دیکھ کر صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی میں اسی مقام پر موجود رہا۔

آج ہر طرف الحاد و مادہ پرستی کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں۔ دنیا پھر ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں گم ہوتی جارہی ہے اسلامی معاشرہ، طبقات، قومیتوں اور نسلی و وطنی گروہوں میں بٹتا جا رہا ہے۔ علاقائی تعصبات کو ہوا دی جارہی ہے، اجتماعی اور اخلاقی امراض نے انسانی زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے، انسان دُکھی ہے اور اپنے دُکھ درد کے مداوا کی تلاش میں سرگرداں ہے لیکن وہ اُمت جس کے پاس عصرِ حاضر کے تمام مسائل کا حل رسول اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ اور حیات طیبہ کی صورت میں موجود ہے اور اپنے رسول ﷺ کی محبت جن پر فرض

جائزہ کرتی ہے کہ وہ اس سے اپنے اور نوع انسانی کے دکھوں کا علاج ہے۔

اس نعمتِ عظمیٰ سے غافل ہے۔ دورِ حاضر میں انسانیت تشنہ لبی کے ہاتھوں تڑپ رہی ہے اور العطش العطش پکار رہی ہے۔ مگر وہ اُمت جس کے پاس سیرۃ النبی کا آبِ حیات موجود ہے اس صورتحال سے اس کے مداوا سے بے خبر ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں خداوند کریم کے آخری رسول ﷺ نے بہترین ضابطہ حیات دیکر فرمایا تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٖ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔

(الحدیث)

بے شک اللہ تعالیٰ اس قرآن حکیم کے طفیل قوموں کو بلندی عطا فرمائے گا اور اس (کو چھوڑنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو قعرِ ذلت میں گرادے گا۔

یاد رکھیئے ہمارے بلکہ انسانیت کے بچاؤ کا ایک ہی ذریعہ ہے سیرت نبوی کا اتباع اور کتاب حکیم سے اعتصام اور استمساک۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ملی وانفرادی طور کتاب وسنت کو مشعلِ راہ بنایا گیا، عظمت ورفعت نے ابن آدم کے قدم چومے۔ آخر سوچئے عرب کا نقشہ جس کا مختصر ذکر اسی مضمون کی تمہید میں کیا گیا ہے۔ طلوعِ اسلام سے پہلے کیا تھا۔ اور پھر اس کی کایا پلٹ کیسے ہوئی۔

سیرت نبوی عصرِ حاضر کو اسی حوالے سے یہ پیغام دے رہی ہے کہ اے پندرہویں صدی کے لوگو! بدامنی اور ذہنی انتشار روکنا چاہتے ہو تو عرب کے خانہ بدوشوں کو رشتہ اخوت میں پرونے والے کے نقش قدم کو سامنے رکھو۔ یہ بلوچ۔ یہ سندھی، یہ پنجابی اور یہ سرحدی کیا بھیانک افتراق ہے۔ جس آقا ومولا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسود واحمر کے امتیازات ختم کردیئے تھے۔ زبان ونسل کی تفریقات منادی تھیں۔

عرب وعجم کو ایک نقطہ ایمان پر جمع کردیا تھا۔ اس اُمت کے افراد اس فضائے بیکراں سے الگ ہو کر چھوٹے چھوٹے گھروندوں میں سانس لینے کو متاعِ حیات سمجھتے ہیں تو "وائے برما، وائے براحوالِ ما"

اقبال نے فرمایا:

رہے گا راوی ونیل وفرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لیے

اب ضرورت اس امر کی ہے (یوں سمجھیئے سیرت نبوی کے پیغام کا ایک اہم عنوان یہ ہے) کہ اپنی بقاوسالمیت کیلئے ایک دوسرے کے بھائی بن جائیں، ایک دوسرے کی عزت وحرمت کے محافظ ہو جائیں، سوشلزم کی مساوات سے بلندتر ہو کر اسلام کے ایثار کو سمجھیں، اپنائیں اور پھیلائیں، مادہ پرستوں کی مادیت سے کنارہ کش ہو کر رحمۃ اللعالمین کے ابدی وروحانی پیغام سے نورِ حیات حاصل کریں۔

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختہ شام وسحر تازہ کریں

(اقبال)

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ كَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ فَمَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ۔

میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا۔ غرق ہو گیا۔

یاد رکھیئے ہمارے بلکہ انسانیت کے بچاؤ کا ایک ہی ذریعہ ہے سیرت نبوی کا اتباع اور کتاب حکیم سے اعتصام اور استمساک

تصوف اور جدید سائنس

اویس المصطفیٰ خان

کسی ایسی چیز پر، کہ جس کے متعلق مختلف طبقات کی آراء مختلف ہوں، تنقید کا عمل بے حد دشوار ہوتا ہے کیونکہ بے شمار مصلحتیں آڑے آتی ہیں۔ بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ایسی تنقید یا تشریح جو خالصتاً علمی اور تحقیقی نقطہ نگاہ سے کی گئی ہو علم میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ معلومات کے ذخیرے میں سیرابی آتی ہے۔ مثبت تنقید زندگی کے رویوں میں حرکت پیدا کرنے کی ذمہ دار ہوا کرتی ہے۔ اگر تنقید کے دروازے بند کر دیے جائیں تو فکر و نظر کی قوتیں زنگ آلودہ ہو جاتی ہیں اور حرکت و عمل کی طاقتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر منفی قوتیں متحرک ہوتی ہیں اور اپنے باطل نظریات ان منجمد ذہنوں میں ٹھونسنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس لئے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرنا، اصلی اور نقلی نظریات میں فرق محسوس کرنا باطل کو مٹا کر حق کا پرچم بلند کرنا اور صحیح صورتِ حال سامنے لانا سب کا فرض ہے۔

اسلام میں تصوف کا مسئلہ کچھ متنازعہ سا بنا رہا ہے اس کی تائید اور تردید میں بے شمار کتب اب تک لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔۔۔ کچھ شخصیات نے تصوف کو عین اسلام قرار دیا، البتہ کچھ لوگوں نے تصوف پر کڑی تنقید کی اور انہوں نے تصوف کے مختلف مراحل مثلاً مراقبہ، مکاشفہ، ریاضت، اور اوراد و وظائف، سیر مقامات وغیرہ کو تصوراتی باتیں قرار دیا۔ کہ ان کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض علماء کو اس کے بارے میں یہ شکایت رہی کہ تصوف لوگوں میں جمود، تنگ نظری اور کم حوصلگی پیدا کرتا ہے۔ غلط قسم کے صبر و تحمل کو جنم دیتا ہے اور جہاں تلوار اٹھانے کی ضرورت ہو، وہاں عبادات پر زور دیتا ہے۔

یہ تحریر خصوصی طور پر ان لوگوں کیلئے جو مادیت پرستی کا رجحان زیادہ رکھتے ہیں اور 2+2=4 کی طرح مذہبی باتوں کو بھی سائنس کے ذریعے پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اگر ایسے احباب یہ مضمون توجہ سے پڑھیں تو انہیں یقیناً یہ بات ماننا پڑے گی کہ تصوف بھی ایک سائنس ہے اور یہ سائنس قدرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے روحانی اور بیانی طور پر افشاں کر دی تھی جیسے جیسے سائنس تحقیقات کا دائرہ کار وسیع کرتی جا رہی ہے۔ اس پر وہی اسرار و رموز کھل رہے ہے جو ہمارے پیغمبر آخر الزماں ﷺ قرآن مجید کی صورت میں ہمیں ہمارے حوالے کر گئے ہیں، ڈاکٹر بارٹ ورک نے "نئی تحقیقات در قرآن میں" لکھا ہے۔

"ہمیں یہ جان کر متعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ تمام سائنسوں کا منبع قرآن پاک ہے"

عقیدہ اور عبادات:

عبادات تقریباً ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہیں ایک وہ دور تھا جب لوگ بہت سے خداؤں کو مانتے اور ان کی عبادت کرتے تھے، ہندو دھرم میں "برہما" اور "شیو" "شنکر" کی پوجا کی جاتی تھی۔ پھر وشنو، رام، کرشن جی اور حتیٰ کہ گاندی جی کو پوجا جانے لگا۔ زرتشتیوں نے آگ کو اپنا معبود بنا لیا اور اس کے آگے رکوع کی حالت میں جھکنے لگے۔ اسلام آیا تو اس نے صرف ایک اللہ کی عبادت کا تصور

دیا۔ یوں تو دنیا کے ہر مذہب میں خدا کی یاد کا حکم اور اس کی عبادات کے قوانین موجود ہیں۔ اسلام میں حمد و تسبیح ہے تو یہودیوں میں مزمور، عیسائیوں میں دعا، پارسیوں میں زمزمہ اور ہندوؤں میں بھجن ہیں، اور ان فریضوں کو ادا کرنے کیلئے دنوں اور اوقات کا تعین بھی ہے، مگر اسلام میں نماز ایک ایسی عبادت ہے جو صرف رکوع و سجود کا نام نہیں بلکہ حقیقتاً یہ تاثر پیدا کرتی ہے کہ خدا صرف ایک ہے اور اسی کے آگے سر جھکنا چاہیے۔

اگر ہم ان سب باتوں پر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسانی زندگی میں کسی نہ کسی عقیدے کا ہونا لازمی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر انسانی زندگی نامکمل اور ادھوری رہ جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب کوئی عقیدہ تشکیل پاتا ہے تو اس کے کچھ قواعد و ضوابط بھی مقرر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے بھی ہمیں یہ عقیدہ دیا کہ خدا ایک ہے وہ حاضر و ناظر ہے اور محمد الرسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اس عقیدے کے قواعد و ضوابط ہمارے پاس ایک قانونی اور روحانی کتاب قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہیں۔

کائنات:

اب ہم اس کائنات کی بات کرتے ہیں۔ جس میں ہم سب رہ رہے ہیں، اس کائنات کا (Mechanism) بہت پیچیدہ ہے۔ اور انسان ہمیشہ اس کے اسرار معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اسی خوئے تجسس کی وجہ سے اس مختلف سیارے دریافت ہوئے اور اب بھی خلائی شٹل پہنچ کر اس بارے میں تحقیقات جاری وساری ہیں۔

کائنات کے بارے میں بظاہر یہی نظریہ ہے کہ یہ "مادے (Matter) سے بنی ہے۔ مگر شاید کوئی سائنسدان یہ بتا سکے گا کہ یہ کائنات بننے سے پہلے یہ "مادہ" کہاں تھا اور کس صورت میں تھا؟

جب کچھ سائنسدانوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مادہ پہلے کسی توانائی کی شکل میں تھا۔ سائنسدانوں نے یہ نظریہ اس بنیاد پر قائم کیا کہ جب توانائی کو مادے کی شکل میں لانے کا کوئی طریقہ کار دریافت نہیں ہو سکا۔

یہ "مادہ" کیا چیز ہے، سائنسی نقطہ نگاہ سے مادہ چند الیکٹرانز، نیوٹرانز اور پروٹانز پر مشتمل ہے۔ مگر سائنس اس مادے کو توڑ کر بھی یہ ذرات دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ حالانکہ سائنس کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف اس چیز کا وجود تسلیم کرے گی۔ جو اسے نظر آئے۔ پھر سائنس ان ذرات کے وجود کو کیوں تسلیم کرتی ہے۔ جنہیں کبھی دیکھا ہی نہیں گیا۔ سائنس نے یہ تو کہہ دیا کہ بجلی الیکٹرانز کے بہاؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر جب الیکٹران کو دیکھا ہی نہیں تو یہ مفروضہ کیوں قائم کیا گیا؟ کوئی عقلی دلیل نہ ہونے کے باوجود محض تصوراتی طور پر بجلی کی یہ تھیوری تسلیم کرلی گئی۔

مابعد الطبیعاتی مسائل:

پھر ایک دور ایسا آیا کہ سائنس کی ایک اور شاخ نکالی گئی جسے Para-Science کہا گیا۔ اس شاخ کے ذمے یہ کام آیا کہ یہ Non-Matter یعنی غیر مادی اشیاء پر ریسرچ کرے اور اسے Meta Physical Research کہا گیا۔ گویا سائنس نے بھی اس بات کا اعتراف کرلیا کہ مادے کے علاوہ غیر مادی افعال بھی موجود ہیں۔ اب یہ پیرا سائنس مابعد الطبیعاتی مسائل پر تحقیق کرتی ہے۔ جس میں ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم یوگا وغیرہ ہیں۔ حالانکہ یہ تمام علوم بذات خود اسلام سے "ادھار" مانگی ہوئی چیزیں ہیں۔ خیالات کے تبادلے اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کا قانون خود اسلام نے ہمیں دیا ہے۔ علم نفسیات بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کائنات میں کوئی بھی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو دوسری شے پر اثر انداز نہ ہو۔ ایسے کئی مشاہدات ہماری روزمرہ زندگی میں رونما ہوتے ہیں۔ لگاؤ اور جذبے کی شدت روحانی قرب پیدا کرتی ہے۔ بیٹے کے حادثے کے

وقت جنون میں ڈوبی ہوئی ماں اچانک اٹھ بیٹھتی ہے۔ کسی کام میں ناکامی ہو تو گرفتہ دلی گھیر لیتی ہے۔ محبت کرنے والے کا شدید جذبہ محبوب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ چرند پرند اپنی زبان میں ایک دوسرے کو سگنل دیتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جس شخص کی قوت ارادی زیادہ مضبوط ہو' اتنا ہی وہ دوسرے پر اثر انداز ہونے کے قابل ہوتا ہے۔ جب بھی ہم کسی دوسری چیز کی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوں گے' ہمارے خیالات اس چیز میں منتقل ہو جائیں۔ بارہا آپ کو تجربہ ہوا ہوگا آپ کسی سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور وہ آپ کے بولنے سے پہلے ہی آپ کے ذہن میں پیدا شدہ سوال کا جواب دے دیتا ہے۔ اسلام میں بھی توجہ یکسوئی پر بہت زور دیا گیا۔ نماز کے لیے کہا گیا ہے کہ یا تو تصور کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے یا آپ خدا کو دیکھ رہیں ہیں۔ اس بات کا مقصد بھی یکسوئی پیدا کرنا ہے۔

خیال اور اس کی قوت:

ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے جسم کے تمام افعال کو دماغ کنٹرول کرتا ہے۔ مگر دماغ کو commmand کون دیتا ہے؟ جب بھی ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو ایک توانائی کی شکل میں آتا ہے اور اسکا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے، خیال کا آنا اس امر کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ حرکت کسی توانائی سے ہی ہو سکتی ہے، چنانچہ خیال ایک ایسی توانائی ٹھہرا جس نے ذہن کے پردوں میں ارتعاش (Vibrations) پیدا کیا۔ اب یہ حرکت ذہن کی ذاتی نہیں ہے۔ اس کا تعلق یقیناً کائنات کی کسی توانائی سے ہے۔ ایک معمولی سی مثال لے لیں۔ جب بھی ہوا کا جھونکا آئے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کرہ ارض میں کہیں تغیر پیدا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح انسانی دماغ میں سوچ کا وارد ہونا کسی سبب کی نشاندہی کرتا ہے۔ ورنہ یہ چیز بلا سبب ممکن ہو ہی نہیں سکتی تھی، اس لئے کائنات کا ہر ذرہ اور ہر ذرے میں موجود توانائیاں اپنے درمیان ایک خاص ربط اور نظم وضبط رکھتے ہوئے اپنا نظام برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ سورج اپنے مدار میں گردش کرتا ہے۔ زمین اپنے مدار میں، چاند نکلنے کے اپنے مخصوص اوقات ہیں۔ تاروں کی مجال نہیں کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ دیں۔ موسم کے تغیر و تبدل ایک طے شدہ کلیے اور قائدے کے مطابق ہو رہے ہیں۔ سمندر کا جوار بھاٹا اپنے مخصوص ایام میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ کائنات کی پوشیدہ توانائیاں یہ نظام چلا رہی ہیں۔ چنانچہ ہمیں یہ بات ماننا پڑے گی کہ کائنات کی توانائیوں میں ارتعاش پیدا ہوا جس نے ذہن میں کسی خیال کو جنم دیا، اور خیال بذات خود ایک توانائی ہے، اب ذرا اس بات پر غور کیجئے کہ اگر خیال کی اس قوت کو بڑھا دیا جائے تو۔۔ یہ قوت کیا کچھ نہیں کر سکتی؟

اس تمام بحث سے ایک نکتہ سامنے آتا ہے کہ توانائی کوئی جامد شئے نہیں بلکہ متحرک ہے اور اس کا حرکت میں رہنا ہی اس کی خاصیت (Property) ہے۔ مثلاً روشنی ایک توانائی ہے۔ اس کی باقاعدہ ایک (Wave Length) ہے اور یہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ (اندازاً) کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ گائیڈڈ میزائل پر استعمال ہونے والی توانائی متحرک ہے۔ ریڈیو ٹی وی سٹیشن سے ہمارے گھر تک پہنچنے والی توانائیاں (لہریں) متحرک ہیں۔ پس یہ بات طے ہو گئی کہ توانائی ایک متحرک چیز ہے۔

توانائیوں کا آپس میں ربط:

فزکس کا مسلمہ اصول ہے کہ جو توانائیاں طاقتور ہوتی ہیں، وہ صرف چھوٹی چھوٹی توانائیوں پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتی ہیں بلکہ مادے کی شکل تبدیل کر دینے کی قدرت بھی رکھتی ہیں، یہیں پر معجزات اور کرامات کا عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ اولیائے کرام کی

توانائیاں شعور برتر کی سطح کی توانائیاں ہوتی ہیں اور ان کی شدت Intensity اس قدر ہوتی ہیں کہ وہ نہ صرف کمزور توانائیوں والے اشخاص پر اتنا اثر مرتب کرتی ہیں بلکہ مادے پر تصرف کی بھی قادر ہوتی ہیں۔

اب یہ بھی تو سوچئے کہ کائنات میں پائی جانے والی یہ تمام بڑی بڑی توانائیاں خود بھی بڑی توانائی کے زیر اثر ہوں گی! اور لامحالہ وہ ان توانائیوں سے کئی گنا شدید توانائی ہوگی۔ کوئی Extra Super Power ہوگی جس نے ان تمام توانائیوں پر کنٹرول رکھا ہوا ہے ہم اس Extra Super Power کو اللہ کا نام دیتے ہیں۔ یہاں سے وحدت الوجود کا فلسفہ عیاں ہوگا۔ اگر کسی طرح ہم اپنے خیال کی توانائی کو اس قدر بڑھالیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی توانائی سے رابطہ قائم کر لے تو؟ لیکن کسی چیز سے رابطہ کرنا اسی صورت میں ممکن ہے، جب آدمی اس چیز کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے اور اس کی معنویت میں خود کو گم کردے اور جب عقل وفہم کا ہر زاویہ اس ایک نقطے پر ہی مرکوز ہو جائے۔ تبھی اس شئے سے آپ کا ربط (غائبانہ) قائم ہوگا، جب آپ کے ذہن، آپ کے دل کی زبان پر محض ''اللہ'' کا لفظ ہوگا۔ تو لازمی طور پر آپ کی توانائی اللہ تعالیٰ کی طاقتور توانائی سے رابطہ قائم کرلے گی۔ اس طرح مخلوق اور خالق کے درمیان ایک نادیدہ مگر مضبوط ربط پیدا ہو جائے گا۔

آپ اپنی ذاتی زندگی کی مثال ہی لے لیں خود مخلوق کی توانائی کو مخلوق کی توانائی سے ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچئے ہزاروں میل دور بیٹھے انسان کا دل دوسرے کیلئے کیوں تڑپتا ہے؟ انسان انسان سے کیوں پیار کرتا ہے؟ درحقیقت یہ جو ہمارا مادی جسم ہے۔ اس کا دوسرے جسم کے ساتھ تعلق ظاہری کوئی معنی نہیں رکھتا یہ تو ہمارے اندر کی توانائیاں ہیں جو ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے ایک دوسرے سے نفرت بھی کر سکتے ہیں۔ جبکہ ایسے انسان جن کا آپس میں کوئی مادی رشتہ نہیں ہے۔

کوئی خون کا رشتہ نہیں ہے، ایک دوسرے کی چاہت میں بیقرار ہو رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کا تعلق مادی نہیں بلکہ روحانی ہوتا ہے۔ جدید زبان میں اسے Uner Standing کہہ لیجئے۔ آپ کا واسطہ یقیناً ایسے لوگوں سے پڑا ہوگا جن کی بے پناہ کشش کے باعث آپ غیر ارادی طور پر ان کی طرف کھنچے چلے گئے ہوں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی آپ کو ملیں گے جن کو آپ جانتے تک نہیں مگر انہیں ملنے یا ان کے پاس بیٹھنے کو دل ہی نہ چاہتا ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جسم کچھ ان دیکھی لہریں خارج کرتا ہے جو مقناطیسی اثرات کی حامل ہوتی ہیں، سائنسدانوں نے یہ دریافت کیا ہے کہ ہر انسان کے اردگرد ایک اور جسم ہوتا ہے جو روشنی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس جسم کی شکل بالکل ویسی ہوتی ہے جیسی اس شخص کے گوشت پوست کے جسم کی ہوتی ہے۔ اسے ہالہ نور یا (Auralight) کہتے ہیں۔ جو بات سائنسدانوں نے اب دریافت کی ہے، اس کی نشاندہی کئی برس پہلے ''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی'' نے کر دی تھی۔ اور اس نوری ہالے کا نام ''نسمہ'' رکھا تھا۔ یہ ہالہ نور جتنا طاقتور ہوگا۔ اتنا ہی اس کا مالک مقناطیسی شخصیت کا مالک ہوگا۔ ایسے ہی لوگوں کی قربت میں بیٹھنے اور ان سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ایسا آدمی کسی مجمعے سے خطاب کر رہا ہو تو سب لوگ مسحور ہو کر اس کی تقریر سنتے ہیں۔ یہ ہالہ جتنا طاقتور ہو، اس کی لہریں اتنا ہی زیادہ دور جاتی ہیں، اور اسی قدر انسان کی شخصیت پُرکشش اور مسحور کن ہوتی ہے۔ اگر یہ ہالہ ناتواں اور کمزور ہو تو ایسے لوگوں میں کشش باقی نہیں رہتی بلکہ ایسے افراد کے ساتھ تو بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ حال ہی میں روسی سائنسدانوں نے انفرارِیڈ شعاعیں خارج کرنے والے کیمرے سے اس ہالہ نور کی

تصویر کشی بھی کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ دماغ میں پیدا ہونے والے خیال اس ہالہ نور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثبت سوچوں کی صورت میں یہ سفید، سنہرا، اور منفی سوچوں کی صورت میں بھورا یا کالا ہو جاتا ہے صوفیائے کرام کی مختلف ریاضتوں سے یہ ہالہ نور طاقتور ہوتا جاتا ہے اور اس کی اثر انگیزی بڑھتی جاتی ہے۔

دماغی افعال:

جدید ترین تحقیق کے مطابق دماغ کو کارکردگی کے لحاظ سے سات مفروضی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلا حصہ شعور کہلاتا ہے ۔ اس شعور کے ذریعے ہمارا اس بیرونی دنیا سے رابطہ قائم ہوتا ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ ہمارے حواس خمسہ (قوت شامہ، سامعہ، باصرہ وغیرہ) کا تعلق اسی حصے سے ہے۔ اسی شعوری طاقت کے ذریعے ہم سوچتے، سمجھتے، حساب کرتے اور روزمرہ زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرا حصہ تحت الشعور ہے یہاں سے جسم کو حرکت کرنے کا سگنل ملتا ہے۔ یعنی ایک طرح سے یہ ہمارے جسم کا کنٹرول روم ہے، رنج، فکر، خوف، خوشی، یہ تمام احساسات تحت الشعور کے زیر اثر ہیں۔

۳۔ دماغ کا تیسرا حصہ یادداشت ہے جو تحت الشعور کے اندر ہی ہے۔ بیرونی دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا عکس اور تجزیے یہاں اسٹور ہو جاتے ہیں۔ ہمارا شعور جس وقت کوئی پرانی بات یاد کرنا چاہتا ہے تو Memory فعال ہو کر شعور کو مطلوبہ معلومات فراہم کرتی ہیں۔ یہ نظام بالکل کمپیوٹر کی طرح ہے۔

۴۔ چوتھا حصہ تخلیق کہلاتا ہے جو اس وقت سرگرم عمل ہوتا ہے جب ہم کوئی خواہش کرتے ہیں، کسی چیز سے ڈرتے ہیں یا دعا مانگتے ہیں، یہ حصہ خواہشات کو حقیقت میں انسان کی Moral مدد کرتا ہے۔

۵۔ پانچویں حصے کو توانائی کہتے ہیں بیماری یا زخم لگ جانے کی صورت میں یہ حصہ عمل میں آتا ہے اور جسم کی قوت شفا (Health Power) کو جاری کرتا ہے۔

۶۔ دماغ کے چھٹے حصے کو وجدان کہتے ہیں چھٹی حس اسی سطح سے پیدا ہوتی ہے۔ شعور اس طرح کا ادراک نہیں کر سکتا، کیونکہ اس حصے کی کیفیات ''وجدانی'' ہوتی ہیں، ہمارے خوابوں کا تعلق اسی سطح سے ہے۔

۷۔ یہ حصہ کامک شعور یا شعور برتر کہلاتا ہے یہی شعبہ روحانیت کا علاقہ ہے۔ اس کے ذریعے ہم ناقابل فہم باتیں غیر محسوس طریقے سے سمجھ لیتے ہیں۔ یہ حصہ مادی وجود سے بے نیاز ہے، زمان و مکان سے بے نیاز ہے اور خالصتاً روحانی سطح پر کام کرتا ہے۔

زمان و مکان اور وقت کی اصلیت:

وقت ایک متحرک چیز ہے اور باقاعدہ طور پر ایک لمبائی رکھتا ہے۔ وہ لمبائی جو ماضی سے لے کر مستقبل تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کی لمبائی کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے لیے وہی لمحہ (Alive) یا زندہ ہے جو سامنے موجود ہے یہ لمحہ گزر کر ''ماضی'' بن جاتا ہے۔ اور ''مستقبل'' کے خزانے میں سے ایک نیا لمحہ نکل کر ہمارے ''حال'' میں آ جاتا ہے یہ طریقہ کار یا Process تا حیات جاری رہتا ہے عمومی نظر سے ہم نہ ماضی کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ مستقبل کو ہم صرف اس لمحے کا ادراک کر سکتے ہیں ہم گزار رہے ہیں، ہمارے لیے ماضی اور مستقبل ساکن ہے اور صرف وہ لمحہ متحرک ہے جو ہمارے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہاں ایک بات نہایت غور طلب ہے یہ لمحہ جہاں سے آیا وہ ''جگہ'' کہاں ہے؟ اور جہاں جا کے گم ہو گیا۔ وہ ''جگہ'' کونسی ہے؟

فرض کیجئے آپ ایک ٹرین میں بیٹھے ہیں اور یہ ٹرین اسٹیشن

پر رکی ہوئی ہے۔ آپ کی ٹرین کے بالمقابل دوسری پٹڑی پر دوسری ٹرین کھڑی ہے۔ اب اگر دوسری ٹرین حرکت کرنا شروع کردے۔ تو آپ کو یوں لگے گا جیسے آپ کی گاڑی نے حرکت کرنا شروع کردی ہے۔ حالانکہ آپ کی گاڑی بالکل ساکن کھڑی ہے، جب آپ پلیٹ فارم کو دیکھتے ہیں تب پتہ چلتا ہے کہ یہ حرکت تو دوسری گاڑی کی ہے۔ اب اسے کیا کہیے گا؟ آپ کے مشاہدے کا دھوکہ؟ یا آپ کی محسوسات کا دھوکہ؟ مگر نہیں، آپ کا مشاہدہ دوسری گاڑی کی نسبت سے حرکت میں تھا اور اپنی گاڑی کی نسبت ساکن تھا۔ گاڑی گزر گئی تو مشاہدے کی حرکت بھی ختم گئی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ کا مشاہدہ حرکت کرسکتا ہے۔ اور اس پر بھی حرکت کے وہی قوانین لاگو رہتے ہیں جو دوسری اشیاء کیلئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کا مشاہدہ نہایت برق رفتاری کا مظاہرہ کرے تو وہ ماضی اور مستقبل دونوں کے لمحات کا ادراک کرسکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے آپ اپنے خوابوں میں ماضی کی اور کبھی کبھی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی جھلک دیکھ لیتے ہیں خواب میں زمان ومکان کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے اور آپ کے پورے دن کی مصروفیات دس منٹ کے خواب میں سماجاتی ہیں۔ یہ اس لیے ممکن ہوتا ہے کہ خواب کے عالم میں شعور کی گرفت جسم پر کمزور ہوجاتی ہے اور شعور برتر جاگ جاتا ہے۔ جس کیلئے فاصلے اور وقت کی کوئی اہمیت نہیں۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ وقت جو ماضی، حال اور مستقبل تک پھیلا ہوا ہے، ہمارے یہیں کہیں موجود ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم اسے دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔

قوت مشاہدہ:

ہر انسان کی ذات داخلی اور خارجی حصے پر مشتمل ہے۔ داخلی حصہ اس کا اصل ہے اور خارجی حصہ جو گوشت پوست کا بنا ہوا ہے۔ اس کا لباس ہے۔ ظاہری حصے کو کسی جگہ پر جانے کیلئے ایک مخصوص فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔ جس کیلئے ایک مخصوص وقت درکار ہوگا۔ یعنی ظاہری حصہ ٹائم اور اسپیس (زمان، مکان) کا محتاج ہے اگر مجھے راولپنڈی سے لاہور جا کر مینار پاکستان دیکھنے کی آرزو ہو تو میرا ظاہری جسم ۶،۵ گھنٹے کی مسافت طے کرکے ۲۷۵ کلومیٹر دور جا کر مینار پاکستان دیکھ سکے گا۔ اب اگر میں اپنے داخلی حصے سے (جو کہ زمان ومکان سے آزاد ہے) کام لیتے ہوئے راولپنڈی میں بیٹھے بٹھائے مینار پاکستان کا تصور بناؤں تو میرے ذہن میں ایک خاکہ سا ضرور بن جائے گا، یہ الگ بات ہے کہ وہ خاکہ دھندلا سا ہوگا جس کی وجہ میرے تخیلاتی مشاہدے کی توانائی ہوگی۔ اگر میں کسی طرح اپنا مشاہدہ طاقتور بنالوں تو یہ دھندلا خاکہ بھی روشن ہوسکتا ہے، ہم دنیاوی مسائل میں اتنا اُلجھ گئے ہیں کہ ہماری تمام تر توجہ اپنے کثیف جسم کی ضروریات پر لگی رہتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہمارا روحانی جسم کمزور تر ہوتا جاتا ہے، اگر ہم اپنے روحانی جسم کی پرورش کی طرف بھی توجہ دیں تو، ہمارا مشاہدہ اتنا تیز ہوسکتا ہے کہ وہ کائنات کے پوشیدہ اسرار ورموز سے بھی آشنائی کرلے۔

انسانی جسم کی برقی رو:

انسانی جسم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ا۔ "مادہ" ۲۔ "روح"

روح اس کائنات کی لطیف ترین توانائیوں میں سے ایک توانائی ہے۔ بدن اس کا Medium یا لباس ہے۔ جس کے ذریعے مختلف افعال سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ہمارا جسم خلیات (Cells) پر مشتمل ہے۔ ان Cells کے Protopalsm میں روحانی توانائی ناقابل یقین رفتار کے ساتھ گردش کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں جسم کے ہر خلیے کے اردگرد مقناطیسی میدان بن جاتا ہے، جس کے نتیجے میں جسم کے اردگرد ہالہ نور وجود میں آتا ہے جسم میں روحانی توانائی کی گردش بالکل اس طرح ہے جیسے ہمارا برقی نظام ہے۔

انسانی جسم کے پاور ہاؤس:

ہمارے برقی نظام میں گھر گھر بجلی پہنچائی جاتی ہے۔ برقی نظام میں جگہ جگہ گرڈ اسٹیشن بنائے جاتے ہیں جہاں پر بجلی کی طاقت کو Boost-up کیا جاتا ہے۔ یعنی بڑھایا جاتا ہے۔ تاکہ Transmission Losses کو Cover کیا جاسکے۔

ہمارے جسم میں بھی ایسا ہی نظام موجود ہے۔ ہمارے بدن کے چند مقامات ایسے ہیں جہاں ہمارے اعصاب گچھوں کی مانند کثیر مقدار میں موجود ہیں۔ یہ اعصابی گچھے ہمارے بدن کے گرڈ اسٹیشن ہیں اور یہ ریڑھ کی ہڈی کی نالی (حرام مغز)، دماغ کے بالائی حصے، Solarplax قلب، زیر ناف، سینے کے دونوں اطراف اور ماتھے کی جڑ میں واقع ہیں۔ تصوف کی زبان میں انہیں "لطائف" کہا جاتا ہے۔

جب ہم ان مقامات پر توجہ مرکوز کردیتے ہیں تو کائنات کی توانائیاں ان میں جذب ہو کر جسم میں موجود روحانی توانائی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ یہ لطائف ہمارے جسم کے پاور ہاؤس ہیں، جب ان پر انوار کی لہریں اثر انداز ہوتی ہیں تو جسم کے اندر بہنے والی روحانی توانائی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ اضافہ ہمیں اپنے جسمانی وجود سے بے نیاز کر کے روح کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ جہاں چاہے جاسکتی ہے۔ اس کی مثال سیر کعبہ، سیر جنت اور دوسری سیریں ہیں۔ جو تصوف میں مروج ہیں، صوفیائے کرام اپنے سالکین کو جو مشقتیں کرواتے ہیں۔ ان سے روحانی توانائی میں حیرت انگیز اضافہ ہوتا ہے۔

لطائف ستہ کی مزید سائنسی تشریح:

اس کائنات کو تخلیق کرنے اور چلانے والی جو بھی قوت ہے اسی کی ذاتی لہروں (Waves) کا یا انوار کا مظہر کائنات کی ہر چیز میں جاری وساری ہے۔ اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اس کائنات کی تشکیل اس قوت کا ذاتی ارادہ تھا۔

۲۔ اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز تخلیق کا نقشہ رنمونہ (Pattren) اس قوت کے ذہن میں موجود ہے کیونکہ وہی اس تخلیق کی خالق، Planner اور ذمہ دار ہے ہر نقشہ نویس کے ذہن میں عمارت کا نقشہ پہلے تصور بنتا ہے پھر تصویر بنتا ہے۔

۳۔ تخلیق کے خدوخال اور فرائض واعمال میں خالق کی جھلک ہمیشہ نمایاں ہوا کرتی ہے۔

۴۔ کائنات کا خالق اگرچہ خود مختار اور ہر چیز سے بے نیاز ہے مگر کائنات اور مخلوق کو تخلیق کرنے کے ذریعے اسے اپنی پہچان کروانا مقصود تھی۔ اس لئے اس نے اپنی تخلیق میں اپنی بھی کچھ صفات رکھ دیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ ناگزیر تھا کیونکہ ہر خالق کی تخلیق پر اس کا مونوگرام اور ہر کمپنی کی پراڈکٹ پر اس کا ٹریڈ مارک لازماً موجود ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کمپنی کو جانیں اور پہچانیں۔

تصوف کے میدان میں اس بات کو جاننے اور پہچاننے کیلئے کہ تخلیق کے خدوخال میں اس کے خالق کا کیا مونوگرام موجود ہے، مختلف ریاضتیں اور مجاہدے متعین کئے گئے، قابل صد احترام صوفیاء اور صاحب نظر علماء ومشائخ نے اس کیلئے قرآن وسنت اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے رہنمائی حاصل کی، ذاتی طور پر کاوشیں کیں، تحقیق کی، تجربات کئے، جس کے نتیجے میں لطائفِ ستہ دریافت ہوئے۔ آپ فی الحال "لطائف" کا لفظ نظر انداز کردیجئے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ سات مراحل یا (Seven Stages) ہیں جن سے ابتدا کر کے تخلیق کا اپنے وجود کو اور اپنے خالق کو سمجھنے کا عمل (Process) شروع ہوجاتا ہے۔ یہ وہ سات لیبارٹریاں ہیں جہاں ہم عملی طور پر اپنے اور اپنے خالق کے درمیاں نادیدہ ربط سے آگاہ ہوسکتے ہیں۔

لطائف پر ضربیں لگانے کا جواز:

یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ لطائف ستہ پر متوجہ ہو کر وہاں زور زور سے ضربیں لگانے کا کیا فلسفہ ہے؟ بات یہ ہے کہ انسان کی

تخلیق کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ وہ بیک وقت بہت سی جہتوں اور سمتوں پر توجہ دینے کیلئے مجبور ہے۔ جبکہ داخلی اور روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کیلئے "نقطہ ارتقا" بے حد ضروری ہے۔ انسان کے ذہن میں ہمہ وقت بے شمار باتیں گردش کرتی رہتی ہیں، جن کی وجہ سے ارتکاز توجہ کو ممکن بنانے کیلئے ساتوں لطائف کو یکے بعد دیگرے نقطہ ارتکاز بنایا جاتا ہے۔ یہ (Circle) کچھ اس طرح چلتا ہے کہ ارتکاز توجہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی بھی لطیفے پر توجہ مرکوز کر کے وہاں خیالی ضربیں لگانے سے توجہ نہیں بھٹکتی اور نقطہ ارتکاز پر مجتمع ہو جاتی ہے۔ پھر جب اگلے مراحل شروع ہوتے ہیں اور ان لطائف پر خالق کائنات کی عطا کردہ لہروں (انوار) کی بارش ہونے لگتی ہے تو توجہ کی یہ قوت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اپنے وجود سے نکل کر خالق کائنات کی طرف بڑھنے لگتی ہے۔ اس مرحلے کو مزید آگے بڑھانے اور خالق سے آشنائی حاصل کرنے کیلئے مراقبات کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔

علم نفسیات کے حوالے سے ارتکاز اور یکسوئی کی اہمیت:

علم نفسیات کی یہ ایک ناقابل تردید سچائی ہے کہ خیالات ہی عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ ہم بیمار ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہماری طبیعت میں عجیب قسم کی کسلمندی آ جائیگی۔ اس کے برعکس اگر اپنے آپ کو تندرست خیال کریں تو طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے گی۔ خیال کی عظمت اور توانائی انسان سے بڑے بڑے کارنامے سرزد کروا دیتی ہے۔

ہر شخص کی اپنی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں جن میں وہ دلچسپی لیتا ہے۔ کچھ لوگ کھیل کود میں لذت محسوس کرتے ہیں، کچھ کو مطالعہ کا شوق ہوتا ہے۔ بعض اصحاب فلموں اور موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کچھ اشخاص ایسے بھی ہیں جنہیں عبادت سے سکون ملتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم اپنی ترجیحات کو مذہب کی طرف راغب کریں! یقین کیجئے اگر آپ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو آپ کا دماغ مذہب میں بھی لذت محسوس کرنے لگے گا۔ ساری بات دلچسپی کی ہے۔ بیدلی سے کام کرنے سے کبھی بھی مثبت نتائج نہیں نکلتے، ممکن ہے شروع شروع میں آپ کا دماغ عبادات کی طرف متوجہ ہونے میں مزاحمت کرے مگر آپ نے اگر قوت ارادی سے کام لیا تو دماغ بھی آپ کا کہا ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔

کسی بھی کام کو بھرپور طریقے سے سرانجام دینے کیلئے ارتکاز اور یکسوئی (Concentration) کی بے حد اہمیت ہے۔ ارتکاز کا مطلب یہ ہے کہ صرف کسی مخصوص چیز یا کام پر پوری توجہ لگا دی جائے باقی تمام غیر متعلقہ خیالات کو دل سے نکال دیا جائے۔ ارتکاز زندگی کے ہر شعبے میں اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتے، دو کتابیں ایک وقت میں نہیں پڑھ سکتے، ریڈیو کے دو اسٹیشن ایک وقت میں نہیں سن سکتے۔ سائنس کہتی ہے کہ جب آپ کسی چیز پر توجہ مرکوز کرتے ہیں تو آپ کے دماغ کے ماورائی حصے بھی فعال ہو جاتے ہیں۔ یہ توجہ جتنی گہری ہوتی چلی جاتی ہے وہ چیز بھی اتنی ہی شدت سے آپ میں جذب ہوتی چلی جاتی ہے۔ تصوف میں جب یکسوئی اور ارتکاز کی کیفیت میں اپنے آپ کو استاد یا مرشد کے روبرو تصور کیا جاتا ہے۔ تو مرشد کے جسم سے نکلنے والی نادیدہ شعاعیں سالک کی شخصیت میں جذب ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

توجہ، ارتکاز اور یکسوئی کیلئے اپنے دماغ کو اپنے زیر اثر کیجئے۔ آہستہ آہستہ یہ بے لگام گھوڑا آپ کے قابو میں آ ہی جائے گا۔ لغو اور فضول خیالات کو ذہن میں جگہ دینا بند کر دیجئے۔ اس دنیا میں وہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں جو اپنے دماغ پر پورا پورا قابو رکھتے ہیں۔ زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے کیلئے کوئی نصب العین بنانا

بے حد ضروری ہے اگر آپ کے سامنے کوئی بہتر نصب العین ہوگا تو آپ خود بخود اتنے مصروف ہو جائیں گے کہ فضول باتیں سوچنے کیلئے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہوگا نصب العین قوت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے جو بیمار خیالات کی آمد کو روک دیتا ہے۔

مراقبہ اور اس کی سائنسی توجیہہ اور فوائد:

مراقبہ توجہ یا ارتکاز کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ مراقبے کا تصور ہمیں دیگر مذاہب مثلاً بدھ مت وغیرہ میں بھی ملتا ہے۔ آج کی سائنس بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ ذہنی الجھنوں سے نجات پانے کا واحد حل مراقبہ ہے جس کے نتائج Narcotics یا Tranquilizers سے کئی درجے بہتر ہیں۔ اس سے سکون حاصل ہوتا ہے اور دماغی قوت بڑھتی ہے یورپ میں (اور اب پاکستان میں بھی) مراقبے کے ہال قائم کئے گئے ہیں۔ مراقبے کی کیفیت میں انسان اپنے عمومی حواس سے بہت بلند ہو جاتا ہے۔

ماہرین نے معلوم کیا ہے کہ جب مراقبے کی حالت میں توجہ کو ایک Object کی طرف مرکوز کر دیا جاتا ہے تو دماغ کی لہروں میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں مشینوں سے کام لے کر ذہنی تبدیلیوں کے گراف بھی بنائے گئے ہیں، جن سے ان نتائج کی تصدیق ہوتی ہے۔ عام حالات میں ہمارے دماغ میں (Beta Waves) بیٹا لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ان لہروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کوئی ترتیب نہیں ہوتی۔ بس خیالات گڈمڈ ہوتے ہیں اور آتے جاتے رہتے ہیں، مراقبے کی حالت میں یہ بیٹا لہریں Alpha الفا لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ان لہروں کی پیدائش کے وقت جسم میں کئی اہم کیمیائی اور فعلی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً خون میں Lactate کی کمی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ (یہاں یاد رہے کہ "Lactate" کی زیادتی جسم میں تھکن پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے) تنفس کی رفتار میں کمی آجاتی ہے۔ دل کی رفتار بھی نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں ہماری جسمانی اور ذہنی تھکن دور ہوتی ہے، اب ان لہروں کی پیدائش ہمارے دماغ کے اس حصے کو (Active) فعال کرتی ہے۔ جس کا تعلق ماورائے ادراک Extra Sensory Perception اور وجدان سے ہے جسے ہم نے شعور برتر کا نام دیا تھا۔ مزید تشریح کیلئے یہ بتاتا چلوں کہ ہمارے دماغ کا اوپر کا حصہ دو سطحوں میں منقسم ہے۔

(دایاں نصف کرہ) 1.Right Cerebral Hemisphere

(بایاں نصف کرہ) 2.Left Cerebral Hemisphere

دماغ کا بایاں نصف کرہ ہمارے شعوری سوچوں، اعمال، گفتگو اور افعال کو کنٹرول کرتا ہے۔ جبکہ دایاں نصف کرہ صرف ارتکاز توجہ یا مراقبے کے دوران جاگتا ہے اور یہ تمام کام الفا لہروں کی مدد سے سرانجام پاتا ہے۔

جب یہ ارتکاز مزید گہرا ہو جاتا ہے تو یہ الفا لہریں آہستہ آہستہ Theta تھیٹا لہروں میں تبدیل ہونے لگتی ہیں (جو لوگ غیر معمولی ذہانت کے مالک ہوتے ہیں، ان میں الفا اور تھیٹا لہریں زیادہ پیدا ہوتی ہیں) جس وقت تھیٹا لہریں دماغ کے دائیں نصف کرے کو مکمل طور پر عمل میں لے آتی ہیں تو شاہد کی ذات مشہود کی ذات میں مدغم ہو جاتی ہے۔ اس وقت مراقبہ کرنے والا اپنے گردوپیش سے بے خبر ہو کر اپنی ذات کی نفی کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اس Object میں گم محسوس کر رہا ہے، جس پر اس نے توجہ قائم کی تھی۔ تصوف میں اسے "فنا" کا مرحلہ کہتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص اپنے مرشد پر توجہ مرکوز کردے تو جونہی Theta لہریں پیدا ہوں گی، وہ "فنافی المرشد" کے مرحلے میں داخل ہو جائے گا یہ ایک خود فراموشی کی سی کیفیت ہوتی ہے، جب تھیٹا لہریں لاشعور کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے لیتی ہیں تو اس عالم میں "کشف" بھی ہو جایا کرتا ہے۔

اب ذرا غور فرمایئے ۔ ارتکاز توجہ سے لے کر کشف کی صلاحیت تک ہمیں ایک سی قوت کارفرما نظر آتی ہے اور وہ ہے خیال کی قوت ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خیال کی یہ قوت ذہن سے باہر نکل کر کس Memdium میں سفر کرتی ہے ۔ آیئے اس بات کو بھی سائنسی حوالے سے پرکھتے ہیں ۔ مثلاً ریڈیو، ٹی وی کی لہروں، سیاروں سے آنے والے سگنل، مائیکروویوز وغیرہ اس کے علاوہ کائنات کا ہر ذرہ ایک مقناطیسی میدان کا حامل ہے ۔ چنانچہ یہ پوری کائنات ایک طاقتور مقناطیسی میدان Field of Force سے بھری پڑی ہے ۔ کائنات کا یہ مقناطیسی میدان Emotinal Energy ہے، خیالات کی لہریں اس مقناطیسی میدان میں Cosimc Vibrations (ارتعاش) پیدا کرتی ہیں، جب ہم خدا کا تصور کر کے اس کے آگے گڑگڑا کر دُعا مانگتے ہیں تو ہمارے دُعائیہ خیالات کی طاقت چشم زدن میں عرش معلیٰ تک پہنچتی ہے اور وہیں سے قبولیت یا رد کی لہریں واپس ہم تک پہنچ جاتی ہیں ۔ سائنس کا یہ مسلمہ نظریہ ہے کہ ایک توانائی اپنی شکل تبدیل کر کے دوسری توانائی میں تبدیل ہو سکتی ہے ۔ اس کائنات میں موجود ہر چیز سے لہریں بھی نکلتی ہیں اور ایک دوسرے پر اسی مقناطیسی میدان کے ذریعے اثر انداز بھی ہوتی ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ جب کوئی بلند مرتبت روح کہیں نازل ہوتی ہے تو ماحول خوشبو سے مہک اٹھتا ہے صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ پر روح القدس کا نزول ہوتا تھا تو ہر سو خوشبو کی لہریں پھیل جاتی تھیں ۔

جب ہم کسی دکھی انسان کی مدد کرتے ہیں تو اس کے دل سے نکلنے والی دعاؤں کی توانائی کائنات کے مقناطیسی میدان میں لہریں اٹھاتی ہے ۔ پھر یہ لہریں ملکوتی طاقتوں سے جا ٹکراتی ہیں ۔ جواب میں ان طاقتوں سے نکلی ہوئی لہریں ہمیں سکون بخشتی ہیں ۔

جب ہم اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ تمام اجسام پیغام رسانی کرتے ہیں ۔ تو پھر یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ جس طرح دنیا کے دو انسان اور ان کی سوچیں آپس میں نہیں ملتیں، اسی طرح ہر شخص کے خیالات کی فریکوئنسی بھی جدا ہوتی ہے ۔ چنانچہ اگر ہم کسی انسان کی سوچ سے اپنی سوچ کا رابطہ پیدا کرنا چاہیں تو ہمیں بھی اپنے خیالات کو اس شخص کے خیالات کی فریکوئنسی پر لانا پڑے گا ۔ یہ کال ارتکاز توجہ سے ہو گا ۔ اصل میں ہم مراقبے کے ذریعے دو مختلف فریکوئنسیوں کو ایک جگہ اکٹھا کر رہے ہوتے ہیں تا کہ ان کا آپس میں رابطہ قائم ہو جائے ۔ یہاں آ کر تصوف کی ایک اور گرہ کھل جاتی ہے ۔ جب صاحب کشف حضرات (یا ایسے نیک اور پاکیزہ لوگ جن کے خیالات کی توانائیاں بہت طاقتور ہیں) کی محفل میں بیٹھ کر مراقبہ کیا جاتا ہے، تو ارتکاز توجہ کی گہرائی سے ہماری فریکوئنسی کا رابطہ ان کی فریکوئنسی سے ہو جاتا ہے ۔ اب یہ فزکس کا اصول ہے کہ توانائی ہمیشہ زیادہ مقدار سے کم مقدار کی طرف بہتی ہے اور پوٹینشل ڈفرنس (Potential Difference) برابر کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ چنانچہ ان نیک اور بزرگ حضرات کے پاکیزہ خیالات انوار کی شکل میں ہمارے خیالات پر اثر انداز ہونے لگتے ہیں ۔ جس کے نتیجے میں ہمارے خیالات بھی پاکیزہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں ۔ اس تمام Process میں ہمارے محسوسات کی گہرائی کا بہت زیادہ عمل دخل ہے ۔ محسوسات جس قدر گہرے ہوں گے، خیالات کا بہاؤ اتنا ہی تیز ہو گا ۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ لاشعوری کیفیات کو محسوس کرنے کیلئے شعوری رابطہ توڑنا ۔ اردگرد سے بے خبر ہو جانا اور توجہ میں غرق ہو جانا ضروری ہے، اس توجہ سے دماغ کے دائیں نصف کرّے میں ہیجان برپا ہوتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ Body Secretions میں بھی تبدیلی آتی ہے ۔ مثلاً دماغ کا غدود بغلمی

(Pitutary Gland) حرکت میں آتا ہے۔ سالک پر بے خودی کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی ہیں۔ تھیٹا لہریں غالب آنے لگتی ہیں۔ اس پچوٹری گلینڈ کے تیز ہوتے ہی دماغ کا دوسرا غدود (Pineal Gland) بھی کام شروع کر دیتا ہے۔ اسے اردو میں آپ غدود صنوبری کہہ لیجئے۔ اسی غدودِ صنوبری کے عمل کے تحت نفس انسانی کی وہ قوتیں بیدار ہونا شروع ہوتی ہیں۔ جہاں زمان ومکان کی پابندی ختم ہونے لگتی ہے۔ اسی عالم میں سالک کو مشاہدات ومکاشفات ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر سالک کی فریکوئنسی اپنے پیر کامل کی فریکوئنسی سے ملی ہوئی ہو تو پیرِ کامل اس سالک کو بے شمار واقعات اور مشاہدات دکھا سکتا ہے۔ یہ ایک طرح کی Trance کی کیفیت ہے۔

مادے اور لہروں کا آپس میں تعلق:

کائنات میں موجود ہر شے کی اصل (Base) ''توانائی'' ہے، یہ توانائی ٹھوس شکل میں ہو تو ''مادہ'' (Matter) کہلائے گی اور غیر مجسم یا غیر مرئی شکل میں ہو تو اسے لہروں (Waves) کا نام دے دیا جائے گا۔ دونوں صورتوں میں یہ توانائی ہی ہوگی۔

نیوٹن نے ایک فارمولا پیش کیا تھا۔ $E=MC^2$ سادہ الفاظ میں اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اگر کسی طریقے سے مادے کو روشنی کی رفتار (1,86,000 M/S) سے سفر کرا دیا جائے تو یہ لہروں میں تبدیل ہو جائے گا۔ گویا مادہ اور لہریں ایک دوسرے سے الگ چیزیں نہیں ہیں۔ مزید ثبوت کے طور پر یورینیم اور پلوٹونیم کی مثال لے لیں۔ یہ دھاتیں ایٹمی تابکار ہیں اور ان سے تابکاری کی شکل میں شعاعیں (توانائی) خود بخود خارج ہوتی رہتی ہیں۔ فرض کیجئے کہ 1991ء میں ایک گرام یورینیم یا پلوٹونیم کو کسی کھلی جگہ پر رکھ دیا جائے اور پھر پانچ سالوں کے بعد ان کا دوبارہ وزن کیا جائے تو وہ کم ہو چکا ہوگا، یعنی ان پانچ سالوں کے دوران اس ''مادہ'' سے تابکار لہروں کا اخراج ہوتا رہا اور نتیجتاً ''مادے'' کا وزن کم ہو گیا، چنانچہ یہ بات واضح ہو گئی کہ مادہ اور لہریں ایک دوسری سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی چیز یعنی ''توانائی'' کی ''مختلف الساخت'' توجیہات (Interpretations) ہیں۔ یہ ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہو سکتی ہیں اور ایک دوسرے میں تبدیل بھی ہو سکتی ہیں۔

تصوف کی سائنس میں مادہ کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ لہروں (انوار) کو اخذ کر سکے بلکہ تصرف کی صلاحیتوں میں تو بعض اوقات مادے ہی کو لہروں میں تبدیل ہوتے دیکھا گیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض اوقات بہت سے بزرگان اکرام ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر نظر آئے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک سائنسی عمل ہے، جو سوائے تصوف کی لیبارٹری کے، کہیں بھی ممکن نہیں ہو سکا۔ سائنس جوں جوں ترقی کرے گی، تصوف بھی ایک سائنس ثابت ہو کے رہے گا۔

ذکر الٰہی اور اس کے سائنسی ونفسیاتی فوائد:

ہمارے ہر کام کے دو حصے ہوتے ہیں۔

۱۔ نظریہ ۲۔ عمل

۱۔ سب سے پہلے ہم دریافت شدہ معلومات کے مطابق ایک نظریہ قائم کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارا نظریہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ ہمارا نظریہ ہے کہ وہی رازق ہے، ہمیں اپنے نظریے کے مطابق خدا کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ یہ ہماری شخصیت کا ''فکری'' حصہ ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ ''عملی'' ہے جس میں ہم ان چیزوں پر عمل کر کے اپنے نظریے کی سچائی ثابت کرتے ہیں۔ اگر یہ عملی پہلو ہماری زندگیوں میں سے مفقود ہو جائے تو ہم محض ایک نظریے کے سہارے کسی پائیدار منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب ہم نے یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ ہمیں خدا پر بھروسہ ہے، اس کی رحمت پر ایمان ہے تو پھر اپنی ہر عملی کوشش میں خدا کو یاد رکھتے ہوئے اپنے کام کیوں نہ سرانجام

دیں از زندگی کی جنگ بڑی سخت ہوتی ہے، جو اسے تنہا لڑنے کی کوشش کرتا ہے، وہ بڑے مسائل میں اُلجھتا چلا جاتا ہے۔ قدم قدم پر پیچیدگیاں آتی ہیں۔ تو پھر کوشش کرتے وقت خدا کو نظر انداز کیوں کیا جائے؟ کیوں نہ اسے ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے۔ اس کو پکارا جائے۔ اس کے دو فائدے ہوں گے۔

ا۔ انسان نفسیاتی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں نے اپنے خدا کو اپنی مدد کیلئے پکارا ہے، وہ مدد ضرور کرے گا۔ اس طرح انسان کی پریشانیوں کی شدت (Intensity) کم ہو جاتی ہے۔

۲۔ ذکر الٰہی بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لاتا ہے اور انسان کی امداد ایسے ایسے ذرائع سے ہو جاتی ہے جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔

چنانچہ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم ذکرِ الٰہی کثرت سے کیا کریں تاکہ پروردگار کی رحمت کا یہ سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر رہے اور اس کی مدد ہمیشہ شامل حال رہے۔ اب ذکر الٰہی کے سائنسی و نفسیاتی فوائد کی طرف آتا ہوں:

ا۔ ذکر الٰہی کرنے سے انسان کو نفسیاتی سکون ملتا ہے اس سے اسکے کشیدہ اعصاب پرسکون ہو جاتے ہیں اور آدمی اپنے مسائل کو حل کرنے کی بہتر تدبیر سوچنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲۔ انسان میں یہ اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ میں اکیلا نہیں بلکہ خدا میرے ساتھ ہے، اس لئے مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

۳۔ امریکہ کے ہارورڈ میڈیل سکول کے پروفیسر ڈاکٹر ہربرٹ بینسن نے دس سال کی تحقیقات کے بعد یہ کہا کہ "خدا کی یاد اور مراقبے سے دل کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے" پھر انہوں نے مسلمانوں کے ذکر الٰہی کا حوالہ دیا اور کہا کہ مسلمان بار بار قرآن شریف پڑھتے اور ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ اس سے دل کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔ شریانیں کھلتی ہیں اور دوران خون میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ماہر امراض قلب ہیں۔ انہوں نے مزید یہ انکشاف کیا کہ انسانی گردوں کے غدود سے ایک مادہ خارج ہوتا ہے جس کا نام (Nor Adrena Line) ہے یہی وہ مادہ ہے جو خون میں مل کر خون کے دباؤ کو بڑھاتا ہے اور دل کو Over Work کرنے پر مجبور کرتا ہے، ذکر الٰہی سے اس مادے کا اخراج بہت حد تک کم ہو جاتا ہے۔ غدود میں اعتدال آتا ہے اور مریض پرسکون ہو جاتا ہے۔ مزید بیان میں انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ذکر الٰہی سرطان اور سرطان کے درد کیلئے بھی مفید ہے۔

(رپورٹ جنوری ۱۹۸۶)

۴۔ عام مروج طریقہ کار ذکر الٰہی کا یہ ہے کہ انسان سانس پریشر سے اندر لے کر جائے تو تصور میں اللہ کہے اور جب پریشر سے سانس باہر نکالے تو دل پر توجہ کر کے ہُو کی ضرب لگائے۔ اب ذرا پھیپھڑوں کی ساخت پر غور کیجئے۔ ہر پھیپھڑے میں ہوا کی ہزاروں تھیلیاں ہوتی ہیں جنہیں Alveoli کہتے ہیں۔ عام حالات میں جب ہم سانس لیتے ہیں تو ان میں سے چند ایک تھیلیاں استعمال ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہماری عام سانس میں گہرائی یا پریشر نہیں ہوتا۔ ذکر الٰہی کے وقت جب ہم پوری قوت سے اللہ ہُو کی ضربیں لگاتے ہیں تو ہوا بہت زیادہ پریشر کے ساتھ پھیپھڑوں میں جاتی ہے اور ان تھیلیوں کو بھی کھول دیتی ہے جو کبھی استعمال نہیں ہوتیں۔ اس لئے آکسیجن کی زیادہ مقدار خون میں جذب ہوتی ہے۔ نظام تنفس کی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ خون کے سرخ جسیموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کے انسانی صحت پر مثبت اثرات ہوتے ہیں۔

۵۔ اب رہی قلب پر توجہ کی بات۔ دل کا کام جسم میں خون پمپ کرنا ہے۔ خون میں ہیموگلوبن موجود ہوتی ہے۔ (جو ہماری صحت کی ذمہ دار ہے) Heme کا مطلب لوہا اور Globin ایک قسم کی

پروٹین ہے۔ دل کے ایک طرف سے خون داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے Aorta (شہ رگ) کے ذریعے نکل کر جسم میں پھیلتا ہے۔ دل کے چار حصے یا خانے ہوتے ہیں جن کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جب ہم ذکر الٰہی کرتے ہیں تو کائناتی نظام میں موجود توانائیوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے انوار چونکہ بذات خود توانائیاں ہیں، اور Waves کی شکل میں ہیں وہ جب ہمارے قلب پر ارتکاز کی وجہ سے قلب کی طرف رجوع کرتیں ہیں تو ہیموگلوبن کا عنصر Heme یعنی لوہا ان توانائیوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ ان انوار کی خاصیت مقناطیسی لوہا مقناطیسیت سے کھینچتا ہے، چنانچہ یہ انوار ہمارے قلب میں ہیموگلوبن کے ذریعے داخل ہو کر پورے جسم میں گردش کرنے لگتے ہیں اس وقت ہمیں سنسناہٹ کا احساس ہوتا ہے جیسے کوئی برقی رو ہمارے جسم میں گھس رہی ہو۔ یہ انوار قلب کی صفائی بھی کرتے ہیں، خون کو طاقتور بھی بناتے ہیں اور جب یہی خون دماغ کی شریانوں میں سے گزرتا ہے تو دماغ کی کارکردگی میں اضافے کا موجب بھی بنتے ہیں۔ دماغ جب اس پاک خون کو وصول کرتا ہے تو دماغ کے خلیات چارج ہو جاتے ہیں۔ منفی سوچیں مثبت سوچوں میں بدل جاتی ہیں اور شر کی جگہ خیر کا غلبہ ہونے لگتا ہے، ذکر الٰہی کی روحانی کیفیات الگ ہیں۔ جنکا لطف ذکر الٰہی کرنے والا محسوس کر سکتا ہے۔

بیعت کی حقیقت:

یہ ایک مسلمہ اور طے شدہ طریقہ کار ہے کہ کسی بھی چیز کو سیکھنے کیلئے کسی ایسے استاد سے رابطہ کرنا پڑتا ہے جو اس چیز کا کامل علم رکھتا ہو۔ ہم کالج میں داخلہ لیتے ہیں تو دراصل ہم پرنسپل سے یہ وعدہ کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم اس کالج کے قواعد وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے علم حاصل کریں گے۔ یہی بیعت ہے، تصوف کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھی کسی ایسے شخص، استاد سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے جو اس علم کا حامل ہو اور پھر آپ کو اس انسٹی ٹیوشن میں داخلہ کیلئے یہ وعدہ کرنا ہوتا ہے کہ آپ حتی الوسع اس کے بتائے ہوئے اصولوں کی پابندی اور پاسداری کریں گے اور اس علم کو صدق دل سے حاصل کریں گے۔ بس یہی بیعت ہے۔ اس شخص، استاد کو آپ روحانی استاد، رہنما کا نام دے لیں یا مرشد اور شیخ کا، بات ایک ہی ہے۔ پھر یہ آپ پر منحصر ہوتا ہے کہ آپ اس فیلڈ میں کتنی محنت کرتے ہیں اور کتنی ترقی کرتے ہیں۔ اگر کوئی طالب علم کسی کالج میں داخلہ لے تو لے مگر محنت نہ کرے، پڑھائی نہ کرے تو بالآخر اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح روحانیت کے شعبے میں بھی محنت نہ کی جائے تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

بیعت کا معاملہ دراصل خرید وفروخت کا معاملہ ہے یہ ایک معاہدہ ہے جو دو آدمیوں کے درمیان طے پاتا ہے۔ یہ لسانی ہونے کے باوجود سراسر انسان کی اندرونی نفسیات سے تعلق رکھتا ہے یہ نفس کی ایک داخلی کیفیت ہے جو مخفی ہے اور اگر اس معاہدے کی عہد شکنی ہو تو اس عہد شکنی کا وبال سراسر انسان کے اپنے نفس پر ہوتا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ آپ نے اگر ایک سودا کیا، سودا بھی آپ کیلئے منافع بخش تھا۔ پھر اس سودے کو منسوخ کر دیا تو نقصان کس کا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ آپ کا۔ اس لئے اول تو معاہدہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے اور اگر کر لیا تو پھر اسے نبھانا چاہئے، ہاں البتہ اس بات کی اجازت تو ہر شخص کو ہے کہ وہ جس سے معاہدہ کرنا چاہتا ہے، اسے دیکھ لے، پرکھ لے، اور اگر وہ اسے واقعی تصوف کا ماہر پائے، تب معاہدہ یا بیعت کرے، تصوف کے میدان میں مرشد کامل کا ایک لازمی معیار ہے، ہر شخص منصب کا اہل نہیں ہوا کرتا۔

آخر تصوف کی ضرورت کیوں ہے؟

اس لیے کہ تخلیق کا اپنے خالق سے رابطہ اور آشنائی بہت

ضروری ہے اور تصوف اس سلسلے میں ہماری بھرپور مدد کرتا ہے۔ کوئی بھی تخلیق اپنے خالق کے وجود سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر زندہ رہتی بھی ہے تو اس وجود دیگر مخلوقات کے نزدیک قابل تضحیک ہوتا ہے۔ تخلیق کو اپنا وجود منوانے کیلئے اپنے خالق کی نظر رحمت حاصل کرنا بہت ضروری ہے اگر کوئی طالب علم اپنے استاد کی نظر سے گر جائے تو پوری کلاس اس کا مذاق اڑاتی ہے، اس سے نفرت کا برتاؤ کرتی ہے اور اگر کوئی طالب علم اپنے استاد کی نظروں میں محترم ٹھہرے تو سب اس کی عزت کرتے ہیں، اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اس کی خامیوں کی بھی نظرانداز کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ''استاد'' اسے عزت کا سرٹیفکیٹ دے چکا ہوتا ہے۔ یہی حال تخلیق اور خالق کا ہے۔ اگر خالق اپنی کسی بھی تخلیق کے بارے میں O.K. Certificate دے دے تو کسی کی مجال تک نہیں کہ اسے De. Grade کرے یا بے عزت کرے۔ اگر کرے گا تو خالق خود اسے سزا دے گا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم M.B.B.S اور انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کیلئے پانچ، چھ سال لگا دیتے ہیں، زندگی کے دوسرے شعبوں میں اتنی محنت کرتے ہیں مگر اپنے خالق سے رابطہ پیدا کرنے کیلئے ایک ہفتہ کی محنت بھی ناگوار گزرتی ہے۔ آخر یہ تضاد کیوں؟ تخلیق اپنے خالق کو کیوں بھولتی ہے؟ حالانکہ خالق کو بھول جانے سے زندگی میں کبھی خوشگواریت نہیں آسکتی۔

مضمون کے آخر میں حرف آخر کے طور پر میں یہی کہوں گا کہ اب جبکہ روشنی کی رفتار، نوری سالوں کے ادراک اور دوسرے بے شمار مشاہدات وشواہد سے ہم پر حیران کن حقائق منکشف ہو رہے ہیں، انفراریڈ لہروں سے قدیم ادوار کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ کمپیوٹر اور روبوٹ کام کرتے دکھائی دیتے ہیں، ریڈیو، ٹی وی اور ٹیلی فون نے زمانی ومکانی فاصلے مٹا دیئے ہیں، ہمیں اسلام میں پوشیدہ اسرار رموز کا اعتراف کر لینا چاہیے۔ جب روس یا امریکہ کا کوئی کمیونسٹ یا دہریہ شخص ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم وغیرہ کی بنیاد پر پیش بینی کر سکتا ہے تو ایک مرد مؤمن کیلئے یہ بات کیا مشکل ہے؟ اولیاء کرام کے کشف وکرامات کے واقعات من گھڑت کہانیاں نہیں ہیں۔ بلاشبہ ایسی پاکیزہ ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی قوتیں عطا کی گئیں جو کسی نہ کسی حد تک تصرف کی استعداد بھی رکھتی تھیں، وہ ریڈیائی لہروں کی کوئی قسم بھی ہو سکتی ہے۔ یا کوئی بھی ایسا Medium جسے ہم باطن کی آنکھ کہہ سکتے ہیں۔ آج ہم لوگ واقعات سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زیادہ تیز رفتار اور قوی ذرائع پیدا کر رکھے ہیں جن کا ہمیں ابھی ادراک نہیں ہو سکتا اور جن کے ذریعے چند منٹوں میں رسول اکرم ﷺ کو آسمانوں کی سیر کروا دی گئی۔ جیسے جیسے تحقیق کا دائرہ کار وسیع ہوتا جائے گا ویسے ویسے کائنات کے راز بھی ہم پر افشا ہوتے جائیں گے۔

صوفیاء اور شیوخ یقیناً ایسی ہستیاں ہیں جو ہمارے لیے ''گائیڈ'' کا کام دیتی ہیں، جہاں تک تصوف کی بات ہے، یہ کتنا بھی محتاط ہو، اپنے ساتھ کشف وکرامات اور تحیرات سے بھرپور واقعات ضرور لاتا ہے یہ الگ موضوع ہے کہ مریدین ان واقعات کو اپنی اندھی عقیدتوں اور کوش فہمیوں کی آمیزش سے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو چیک کرنے کیلئے ہمارے پاس شریعت کے اصول وقواعد موجود ہیں جن پر عمل درآمد بہرحال مسلمان کیلئے ضروری ہے، قرآن سنت کو معیار بنا کر قدم اٹھائیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اپنے بندوں پر سایہ کرنے کیلئے منتظر ہیں۔

اولیاء کرام کے کشف وکرامات کے واقعات من گھڑت کہانیاں نہیں ہیں۔ بلاشبہ ایسی پاکیزہ ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی قوتیں عطا کی گئیں

مردانِ حق اور راہِ حق

پروفیسر محمد حسین آسی

مختلف انسانی کردار: اپنے گردوپیش کی رنگارنگ دُنیا میں ہمیں مختلف طرزِ عمل کے لوگ نظر آتے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو بات بات پر جھوٹ بولتے ہیں اور ہر ایک سے دغا فریب کرتے ہیں۔ چند ٹکوں کی خاطر بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ جُوا، شراب نوشی، لوٹ مار اور عیش وعشرت میں دن رات ڈوبے رہتے ہیں۔ ظلم وستم ان کا کردار اور گالی گلوچ ان کی گفتار۔ کسی کا ادب واحترام نہ کسی سے شرم وحیا۔ لوگ انہیں دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور جو دوچار ہو جائیں تو سہم جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اپنے ماحول میں خوف وہراس کی علامت بنے رہتے ہیں۔

پھر ایسے لوگ بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں جنہیں بعض اوقات کسی مظلوم پر ترس بھی آجاتا ہے اور کسی مجبور ومقہور انسان کی حالت دیکھ کر ان کا دل کڑھتا ہے اور جذبہ رحم سے سرشار بھی ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں سچ بولنا چاہتے ہیں اور بلاوجہ جھوٹ سے بچتے بھی ہیں۔ چغل خوری، بہتان تراشی اور دشنام طرازی سے بھی اکثر ملوث نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی کسی مصلحت کا شکار ہو کر چھوٹا موٹا جھوٹ بھی بول لیتے ہیں اور کچھ نہ کچھ جوروجفا پر مائل ہو جاتے ہیں۔ معاشرے کو پُرامن دیکھنا پسند کرتے ہیں مگر کسی مجبوری کے تحت اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف ہوا کا رُخ دیکھ کر کسی تخریب کار اور انتشار کے حق میں جھوٹی گواہی بھی دے دیتے ہیں۔

ان دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ بھی اس دنیا میں موجود ہے۔ جس کی تعداد سب سے کم مگر کردار سب سے اچھا ہوتا ہے۔ یہ لوگ صلح وآشتی، عدل وانصاف اور حق وصداقت کے علمبردار ہوتے ہیں۔ وہ کمزوروں کا زور، بے سہاروں کا سہارا اور بے بسوں کا بس بنے رہتے ہیں۔ جوروجفا کی کوئی آندھی اور ظلم وستم کا کوئی طوفان ان کا راستہ روک نہیں سکتا۔ کوئی تحریص، کوئی خوف اور کوئی دوستی یا دشمنی ان کے پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتی۔ ان کا گھر بار جلایا جائے، سر پر تلوار لٹکائی جائے یا انہیں قیدوبند کی صعوبتوں سے گزارا جائے، وہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں مگر کسی باطل کے آگے جھکنا برداشت نہیں کرتے، اور دنیا کی کوئی مصلحت انہیں کذب بیانی، دغا بازی اور ستم کیشی پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ انہیں اپنا مشن اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے اور اس کی تکمیل کیلئے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

بہترین طرزِ عمل: کیا یہ بات سمجھنا مشکل ہے کہ دنیا کو تحفظ، فروغ وارتقاء اور بقاو سالمیت کی ضمانت آخری گروہ کا طرزِ عمل ہی دے سکتا ہے۔ دوسرے گروہ کی بات ہی چھوڑیئے وہ تو نیمے دُروں اور نیمے بروں ہے اور دنیوی اور عارضی مصلحت کے زیرِ اثر کسی ٹھوس طرزِ عمل ہی سے محروم ہے، نہ وہ موثر ہے نہ قابلِ ذکر۔ البتہ دُنیا کی باگ ڈور اگر عیاشوں، مکاروں، قاتلوں اور تخریب کاروں کے ہاتھ میں

دے دی جائے تو اس کی زندگی کتنے دن کی مہمان ٹھہرے گی۔ تاریخ گواہ ہے جب بھی کوئی معاشرہ عدل وانصاف اور مہر ومروت سے بیگانہ ہو گیا، تباہی و بربادی سے بچ نہ سکا۔ اس ظلم وستم نے بستیوں کی بستیاں، شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک اُجاڑ دیے۔ ضعیف وناتواں کی دادرسی جس قوم سے ختم ہوئی وہ قوم خود ختم ہو گئی۔ اب سوچیے اگر انسانیت کی حفاظت کا دارومدار کذب وخیانت، جور وجفا اور مکر وفریب کی بجائے صدق وامانت، مہر ووفا اور خلوص ومروّت پر ہے، تو انسانیت کا محافظ و پاسبان کون سا گروہ ہے؟ یقیناً وہی بلند ہمت لوگ ،جنھوں نے ہر قیمت پر بنی نوع انسان کے امن وسکون کا اہتمام کیا۔ بدترین حالات میں بھی بہترین صبر واستقامت کا ثبوت دیا اور ظلم واستبداد کے طوفانوں میں ایثار ومحبت کی شمع جلائے رکھی، انسانیت کے محسن اور نگہبان کہلانے کے مستحق ہیں۔ دُنیا قائم ہے تو امن دشمنوں، لٹیروں اور خونخواروں کے صدقے نہیں بلکہ امن پسندوں، عدل گستروں اور رحم پروروں کے طفیل۔

اختلاف عمل ... آخر کیوں؟

جب آپ ایک شخص کو لوٹ کھسوٹ کا عادی، قتل وغارت کا دلدادہ اور ظلم وستم کا رسیا دیکھتے ہیں تو بڑی آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ خدا کے خوف سے محروم ہے، دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور قبر کے سوال وجواب یا حشر کے حساب وکتاب کا قائل نہیں۔ یتیم کی چیخ، بیوہ کی دُہائی اور بیکس کی پکار اس کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکا ہے (فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً) (القرآن) ''ترجمہ۔ سو وہ پتھروں کی طرح بلکہ اور بھی زیادہ سخت'' اس کے برعکس اسی شکل وصورت کا انسان جو کسی پر ظلم کرنا تو کجا، ظلم ہوتا بھی نہیں دیکھ سکتا، کسی کی آہ سنتا ہے تو تڑپ اٹھتا ہے اور کسی کی جان بچانے کیلئے خود جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ کیوں ایسا کرتا ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ خدا کو مانتا ہے، نیکی اور بدی کو پہچانتا ہے، موت کو زندگی کا انجام واختتام نہیں جانتا بلکہ اس کے بعد ایک ابدی وغیرہ مختتم دورِ حیات کا قائل ہے۔ اُسے یقین ہے کہ اس دنیا کی لذت وراحت بھی عارضی ہے اور کلفت ومصیبت بھی ناپائیدار، یہاں کی عزت وعظمت بھی بے وقعت ہے اور ذلت ولعنت بھی۔ وُہ ان سے بے نیاز ہو کر ہر آن اپنے پروردگار کی رضا اور اگلے جہان کی تیاری پیش نظر رکھتا ہے۔ اس کے کردار کی بلندی محض خوفِ خدا اور محبت خدا کی وجہ سے ہے۔ اوّل تو برائی کا ارادہ ہی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتا اور اگر کبھی پیدا ہو بھی جائے تو خدا کا خوف یا خدا کی رضا جوئی کا جذبہ ہی اس کے ہاتھ روک لیتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ، زبان، کان، آنکھ اور پاؤں بلکہ دل ودماغ کو خدا کی مرضی کا پابند بنائے رکھتا ہے اور کسی نعمت کو بھی غلط طریقے سے استعمال نہیں کرتا۔ وہ عیش میں اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوتا اور طیش میں اس کے غضب کو فراموش نہیں کرتا۔ مختصر یہ کہ اس کے کردار کی حفاظت جس طاقت نے کی ہے وہ خدا کی محبت ہے اور اسے وحشت وبربریت سے جس قوت نے روکا ہے وہ خدا کا خوف ہے۔ جہاں خدا کی محبت ورضا کا جذبہ نہیں، موت وحیات کے بارے میں کوئی سنجیدہ سوچ نہیں۔ حشر ونشر پر اعتقاد نہیں، حساب وکتاب پر یقین نہیں اور جنت ودوزخ کا کوئی تصور نہیں۔ وہاں ظلم واستبداد ہے، حق تلفی ورہزنی ہے، حیوانیت کا شور وغل ہے، عصمت وعفت کا نیلام ہے۔ نیکی کی اقدار ناپید ہیں اور رحم وکرم کی کوئی جھلک نہیں۔

مذہب کی اہمیت وضرورت:

اگر اخلاقِ فاضلہ کا انحصار خدا کے خوف، جوابدہی (یعنی حساب وکتاب اور سزا وجزا کے عقیدے وغیرہ پر ہے تو ماننا ہوگا کہ مذہب آج بھی دنیا کے امن وسلامتی کیلئے ضروری ہے (کیونکہ ان تمام افکار وعقائد کا تعلق مذہب ہی سے ہے) ایک شخص اگر ان عقائد پر مطمئن نہ بھی ہو اور خدا کے موجود ہونے کے بارے میں شک وانکار میں مبتلا ہو، پھر بھی اگر غیر جانبداری وانصاف سے سوچے تو ان عقائد کا یا بالفاظ دگر مذہب کی افادیت کا منکر کیونکر ہوسکتا ہے۔ سائنس نے اپنی مفید ومضر ایجادات اور عالمگیر ترقیات کے باوجود انسان کی انسانیت، میں کیا اضافہ کیا ہے یا اُسے حیوانیت سے کس حد تک محفوظ کیا ہے۔ کیا سائنس نے گوناگوں اکتشافات کے ساتھ کہیں انسان کو اس کی حقیقت سے بھی آگاہ کیا ہے یا آگاہ کرسکی ہے یا کرسکتی ہے؟ کیا اُخروی وابدی کامیابی کا عنوان بھی سائنس کے دائرہ تحقیقات میں شامل ہے یا ہوسکتا ہے؟ کیا جو حقائق سائنس کے مشاہدہ وتجربہ میں نہیں آسکتے، ان کا انکار محض ہٹ دھرمی نہیں؟ (اور کیا سائنس کا ہر مشاہدہ وتجربہ حتمی وقطعی ہے؟) القصہ سائنس کی ترقی انسانیت کے کس کام آئی بقول اقبال:

یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم یہ حکمت، یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق وبخارات
ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

یہی حال فلسفے کا ہے۔ بڑے بڑے فلسفی پیدا ہوئے اور انہوں نے حیران کُن انکشافات بھی کیے مگر انسان کا اصل شرف یعنی اس کی انسانیت ان کے نظریات سے کتنی فیضیاب ہوئی۔ سائنس دانوں اور فلسفیوں نے اپنی ایجادات ونظریات کے سوا کونسا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جو اشرف المخلوقات کیلئے باعث فخر اور لائق تقلید ہو۔ ٹھیک ہے، یہ اُن کا درد سر نہیں تھا یہ مذہب ہی کا کام تھا تو پھر اگر مذہب نے مختلف ادوار میں بہترین انسان تیار کیے ہیں تو اس کے احسان کا اعتراف کرو اور بغاوت کی بجائے اس کی اطاعت کرو۔

ہمیں سائنس کی اہمیت اور فلسفے کی افادیت سے ہرگز انکار نہیں، یہ دونوں علمی وتمدنی ترقی کی علامتیں ہیں مگر پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ انسان کی اپنی ترقی مذہب سے وابستہ ہے۔ دنیا اپنی سلامتی وامن کیلئے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی محتاج ہے اور یہ دونوں چیزیں مذہب کی پیداوار ہے۔ خدا کا منکر، خدا کی مخلوق کا خیرخواہ اور اخلاق واعمال کی عظمت کا قائل کیونکر ہوسکتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہی منکر ہے وہ الخلق عیال اللہ (مخلوق گویا خدا کا کنبہ ہے) کا نعرہ کیونکر لگا سکتا ہے۔ جو شخص خالق ہی کو نہیں مانتا، وہ اس بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
(سعدی علیہ الرحمہ)

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جسمانی اعضاء کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں کیونکہ سب کی پیدائش ایک ہی

جوہر سے ہوئی ہے۔

انسان کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ انسان اور کائنات کا باہمی تعلق کیا ہے؟ انسان کی وجہِ تخلیق اور منزل مقصود کیا ہے؟ یہاں اسے کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیے؟ اس جیسے تمام سوالات کا جواب خدا کی معرفت پر مبنی ہے اور خدا کی معرفت کا سب سے بڑا اور یقینی بلکہ واحد ذریعہ اس کا رسول ﷺ ہے۔ نبوت و رسالت کے تصور کے بغیر مذہب کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔ سائنس فلسفہ اور وہ مذہب جو نبوت کی رہنمائی سے محروم ہے، ان سوالوں کے تسلی بخش جواب دینے سے قاصر ہے۔ دُنیا بھر کے علوم دوسری چیزوں کا کھوج لگانے میں مصروف ہیں مگر نبوت ان کھوج لگانے والوں کا کھوج بتاتی ہے۔ انہیں اُن کی حقیقت کا پتہ دیتی ہے انہیں اوہام وظنون سے نکال کر حقیقی علم کی روشنی میں لاکھڑا کرتی ہے۔ انسان کے سر خلافتِ ربانی کا تاج، نبوت و رسالت نے رکھا ہے ورنہ عقلا، حکماء اور سائنس و فلسفہ تو اُسے آج بھی ظلمت و ذلت کے غاروں میں دھکیل رہے ہیں اُسے پیٹ کا بندہ خواہشات کا غلام اور شہوات کا پتلا گردان کر اس کا شجرہ نسب بندر سے ملا رہے ہیں اے انسان کہلانے والے دانشورو! کیا حضور اکرم ﷺ کا یہی احسان تمہارے لیے کافی نہیں کہ آپ ﷺ نے تمہاری عزت بچائی تمہیں اشرف المخلوقات قرار دیا اور تمہیں اس انسان اول کی اولاد بتایا جس کے سامنے وحی لانے والے بارش برسانے والے، رزق تقسیم کرنے والے اور حیات و موت کی فائلیں رکھنے والے فرشتے سجدہ ریز ہوئے تھے۔ تمہاری سب سے بڑی دولت تو انسانیت ہے اور اس کے سب سے بڑے محافظ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہی تو ہیں۔ انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے اُسے ڈوبنے سے بچایا اور اب بھی جتنی بچی ہوئی نظر آتی ہے، یہ صدقہ ہے اسی ناخدائے ہستی کا (فصلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وبارک وسلم) سچ کہا ہے جناب اعظم چشتی نے

بگڑے ہوؤں کو کس نے سنوارا ترے بغیر
ڈوبے ہوؤں کو کس نے اُبھارا ترے بغیر
ہر جزو کائنات کو ہے تیری احتیاج!
ہوتا نہیں کسی کا گزارا ترے بغیر

سب سے بڑا انقلاب: اس عنوان پر کچھ عرض کرنے سے پہلے اقبال احمد خاں سہیل کے چند اشعار پیش خدمت کرنے کیلئے دل بیتاب ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

محمد ﷺ یعنی وہ حرف نخستین کلک فطرت کا
محمد ﷺ یعنی وہ احصائے توقیعات ربانی
وہ فاتح جس کا پرچم اطلس زنگاری و گردوں
وہ اُمی جس کے آگے عقل کل، طفل دبستانی
وہ رابط، عقل و مذہب کو کیا شیر وشکر جس نے
وہ فارق، زہد سے جس نے مٹا دیا داغ رہبانی
وہ ناطق، جس کے آگے مہر برلب بلبل سدرہ
وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہد نطق ربانی
وہ عادل جس کی میزانِ عدالت میں برابر ہے
غبار مسکنت ہو یا وقارِ تاجِ سلطانی
وہ جامع جس نے یکجا کردیئے بکھرے ہوئے دانے
منادی جس نے آکر باہمی تفریق انسانی!
وہ کشاف سرائر جس نے کھولا چند اشاروں میں
علوم اولین و آخریں کا گنج پنہانی!

تاریخ کائنات (یا کائناتِ تاریخ) کا سب سے بڑا انقلاب، فلسفہ و سائنس کے کسی علمبردار اشتراکیت و سرمایہ داری کے کسی نقیب اور مشرق و مغرب کے کسی مصلح نے برپا نہیں کیا بلکہ اس کے کے بانی سارے نبیوں اور رسولوں کے سردار، عرش و فرش کی مملکت کے مختار جن و بشر کے محسن اعظم، انسانیت کے سب سے بڑے پاسبان حضور پُرنور شافع یوم النشور سیدنا و مولینا محمد مصطفیٰ، فداہ ارواحنا و اجسادنا (ﷺ) ہیں۔ آپ کے مذہبی انقلاب نے کفر و شرک کو مٹا کر صرف توحید اور چند عقائد ہی نہیں دیے بلکہ اپنے اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی شکل میں ایسا دستورِ حیات بھی دیا جس پر عمل کرنا ثوابِ آخرت کا ہی ضامن نہیں بلکہ اس دنیا کے سارے مسائل بھی اسی سے حل ہو جاتے ہیں۔ عبادات، معاملات، معیشت و معاشرت اور حکومت و سیاست کی ساری گتھیاں اس کتاب حکیم میں سلجھادی گئی ہیں اور زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں جس کی رہنمائی کا حق ادا نہ کیا ہو۔ حضور خاتم الانبیاء علیہم التحیۃ والثناء نے ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ایسے بہترین انسان اور وہ بھی چند سال کی قلیل مدت میں تیار کیے جن میں سے ہر ایک پر انسانیت کو، ساری خدائی کو بلکہ خود خدا کو بھی ناز ہے۔ کیسا حسین، کامل اور جامع انقلاب تھا کہ دشتِ عرب کے بدو جہان بھر کے معلم اور تہذیب تمدن کے امام بن گئے جو اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے، دُنیا بھر کے بے سہارا لوگوں کیلئے سراپا رحمت ہو گئے۔ عیش و طرب کے دلدادہ جن کا شراب و شباب کے بغیر گزارا نہیں ہوتا تھا، زاہدانِ شب زندہ دار بن گئے۔ بات بات پر سالہا سال تک لڑنے والے رُحَمَآءُ بَیْنَھُم (آپس میں رحیم) کا مصداق ٹھہرے۔ ان میں بہترین حاکم، عادل، سپہ سالار، منتظم، شاعر، ناثر، حکیم اور عالم و فاضل پیدا ہوئے۔" پروفیسر فلپ ہٹی جیسا شخص اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے:

After the death of the Prophet sterile Arabia seems to have been converted as if by magic into a nursery of heroes, the like of whom, (both in number and quality) is hard to find anywhere.
(History of Arabians)

ترجمہ۔ حضور رسول پاک (ﷺ) کے وصال کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے جیسے عرب کی بنجر زمین جادو کے ذریعے ایسے ہیروؤں کی نرسری میں تبدیل کر دی گئی ہو جن کی مثل تعداد یا نوعیت میں کہیں اور پانا سخت مشکل ہے۔" کیا یہ انقلاب شرق و غرب کی وسعتوں میں کوئی نظیر رکھتا ہے اور کیا یہی اسلام اور قرآن کی صداقت کی بہترین دلیل نہیں؟ کیا خوب کہا ہے دورِ حاضر کے ایک امریکی (متعصب عیسائی مصنف) ڈاکٹر مائیکل ایچ ہارٹ Dr.Michael Hart نے اپنی کتاب The 100 میں He was the only man in history who was supremely successful on both the religions and secular levels.

ترجمہ۔ آپ تاریخ کے تنہا شخص ہیں جو مذہبی اور دُنیوی دونوں اعتبار سے (ساری دنیا میں) سب سے زیادہ کامیاب رہے۔

ایک مثال: حضور سید عالم ﷺ کے انقلاب کا اخلاقی و معاشرتی پہلو سمجھنے کیلئے یہاں حضور انور ﷺ کے سب سے بڑے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے اخلاق کا تقابلی جائزہ قرآنی تصریح کے مطابق پیش کرتا ہوں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ٥ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ٥ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ٥ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ٥ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ٥

ترجمہ۔اور اس (دوزخ) سے بہت دور رکھا جائے گا (صدیق اکبر کو) جو سب سے بڑا پرہیزگار (ہے) جو اپنا مال دیتا ہے کہ پاک ہو۔اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ (صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) راضی ہوگا۔

ان آیات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرہیزگاری، سخاوت، اخلاص اور جزا کا ذکر ہے۔اب ابوجہل کا حال سنیئے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ٥ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ٥ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ٥

ترجمہ: بھلا دیکھو تو جو دین (یا روز جزا) کو جھٹلاتا ہے۔ (یعنی ابوجہل وغیرہ) سو وہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہیں دیتا۔ "قرآنی تصریحات کے مطابق گویا سچے ایمان کا نتیجہ خدمت خلق بھی ہے اور خدا و قیامت کا منکر ظالم ہے اور رحم سے دُور"

ایمان اور عمل : حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے منصب رسالت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ ایمان والوں کو پاک کرتے ہیں (یُزَکِّیْهِمْ ۔ پ۴) یقیناً آپ کی توجہ، نظر اور محبت ظاہر و باطن کو پاک کرتی ہے۔ دل سے کفر و شرک، حسد، بغض، کینہ، غرور و تکبر، حرص و ہوس، حب دُنیا وغیرہ جتنی بھی اخلاقی و روحانی بیماریاں ہیں، آپ کے فیض سے دُور ہو جاتی ہیں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے سب سے زیادہ نبوی توجہ حاصل کی اور وہ سب سے زیادہ پاک ہو گئے۔ ان کے بعد اولیائے کرام اور دوسرے صالحین، غرض جس جس پر جتنی جتنی رحمت ہوئی، ذمائم اخلاق سے پاک ہوتا گیا۔ اور فکر و عمل کی بہترین صلاحیتوں سے سنورتا گیا۔ ایمان کامل ہو تو انسان کا کردار بھی بے عیب ہوتا ہے بلکہ کردار ایمان کامل کے بغیر بے عیب ہو ہی نہیں سکتا۔ اولیاء اللہ اپنے محبوب حقیقی کی رضا جوئی کیلئے مخلوق خدا کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کو ضروری قرار دیتے تھے لہٰذا شب و روز لوگوں کی ضروریات پوری کرنے اور ان کے دُکھ درد دُور کرنے میں لگے رہے۔ کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی ستم رسیدہ قوموں نے ان کا کردار دیکھا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور جوق در جوق ان کے حضور جبین سعادت خم کرنے لگیں۔ کتنے ہی خطہ ہائے زمین ایسے ہیں جہاں مسلمان فاتحین کی تلوار نہیں پہنچی بلکہ انہیں محض اللہ والوں کے حُسنِ اخلاق نے سر کیا اگر کہیں تلوار نے اپنے جوہر دکھائے بھی تو صرف میدان میں، دلوں کی فتح اہل نظر کے ہاتھوں میں ہوئی۔

دور حاضر میں سوشلسٹوں نے مزدوروں اور کسانوں کے مسائل حل کرنے کا بیڑا اٹھایا مگر ان کے اس نعرے میں اخلاص نہیں تھا۔ (اخلاص تو ایمان سے پیدا ہوتا ہے اور وہ اس سے محروم تھے) نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے اقتدار نے ان کے مصائب و آلام میں اضافہ ہی کیا، انہیں سکون نہیں بخشا۔ خدا کے منکر کو آخر خدائی سے کیا خیر خواہی ہو سکتی ہے اور ان کی خدمت خلق کی بنیاد کس جذبے اور عقیدے پر ہوگی؟

خلاصہ : اوپر ساری گفتگو کا خلاصہ یہی ہے کہ دُنیا کا امن مذہب کے ساتھ ہی وابستہ ہے کیونکہ بدامنی، تخریب کاری اور ظلم و ستم کے دھارے محض خدا کے خوف ہی سے رُک سکتے ہیں۔ حضور شہنشاہ

رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے مخلوق کو خالق کے آستانے پر جھکا کر اسے ابدی تسکین سے ہمکنار کیا اور حضور سید عالم ﷺ کے سچے غلام بھی اپنے بہترین اعمال سے ایمان کی صداقتوں کا اعلان کرتے رہے اور ہر کہیں ان کے کردار کی عظمت لوگوں کو راہ حق کی طرف بلا کر حلقہ بگوش اسلام کرتی رہی۔

مردانِ حق کی محیرّ العقول قوتیں: مردانِ حق کی سیرت ہی اسلام کی حقانیت کی دلیل نہیں بلکہ ان کی عملی اور علمی قوتیں بھی دُنیا کو دعوتِ حق دیتی رہی ہیں اور دے رہی ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام ہی کی طرف آیئے، جہاں اُن کی تعلیمات نے میدان صاف کیا، وہاں ان کے معجزات بھی ایمان کا سبب بنتے رہے۔

دُنیا والوں کے نزدیک بہت بڑی طاقت جادو تھی جب وہ بھی معجزے کے سامنے عاجز ٹھہری تو ماننا پڑا کہ یہ واقعی اس قادرِ مطلق کے معجز نما بندے ہیں جو بلاشبہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ خدا کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق ان کی قہرمانی طاقتوں سے بھی ہوا۔ دیکھیں حضور خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کا اشارہ ہوا تو وہ چاند جو زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے، دو لخت ہو گیا، آخر کیوں؟ اور ہاتھ مبارک اٹھا تو سورج جو قریباً ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلے پر ہے، واپس آیا، آخر کس کیلئے؟ کیا یہ طاقت کسی اور کو بھی مل

> **حضور خواجہ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کا اشارہ ہوا تو وہ چاند جو زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے، دو لخت ہو گیا، آخر کیوں؟**

یا خدا کے سوا کوئی اور بھی دے سکتا ہے۔ یقیناً اہل عالم کیلئے معجزات کا یہ پہلو فکر انگیز اور ایمان افروز ہے اور قرآن حکیم میں انہیں اسی لیے بیان کیا گیا ہے۔ یہی فائدہ اولیاء اللہ کی کرامات کا ہے۔ حق یہ کہ نبوت کا ثمرہ معجزہ ہے تو ولایت کا کرامت ہے۔ دونوں ایمان کی دلیل ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں معجزات کا ذکر ہے وہاں کرامات کا بھی ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری (حضرت آصف بر خیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ) چشم زدن سے پہلے سینکڑوں کوس کی مسافت سے تختِ بلقیس لا کر حاضر کر دینا کرامت ہی تو ہے اور قرآن پاک کا بڑے اہتمام سے اس واقعے کو بیان کرنا اسی لیے تو ہے کہ دنیا والوں کو اللہ والوں کی قوت کا علم ہو اور اطاعت نبوت کے فیضان کا پتہ چلے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت ایمان کامل اور ذکر و فکر کا فائدہ آخرت ہی میں نہیں ہوگا بلکہ یہاں بھی ان کی برکات ملتی ہیں۔ ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمایئے اور اس پر خوب غور کیجئے۔

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُ اِلَيْكُمْ لَيْسَ بِوَهْنٍ وَّلَا كَسِلٍ لِيُحْيِىَ قُلُوْبًا غُلْفًا وَيَفْتَحَ اَعْيُنًا عُمْيًا وَيُسْمِعَ اٰذَانًا صُمًّا وَيُقِيْمَ اَلْسِنَةً عُوْجًا يُقَالُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(سنن دارمی)

ترجمہ۔ بیشک آیا تمہارے پاس وہ جو تمہاری طرف رسول ہے، ضعف

وکالی سے پاک، تاکہ زندہ کرے تمہارے غلاف چڑھے دلوں کو، کھول دے اندھی آنکھوں کو، سنوا کر دے بہرے کانوں کو اور سیدھا کر دے ٹیڑھی زبانوں کو حتیٰ کہ وہ اعلان کریں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔

ظاہر ہے ان تمام مقاصدِ بعثت کا تعلق اسی دنیا کے ساتھ ہے یعنی حضور پُر نور ﷺ اسی جہان میں دلوں کو زندہ، آنکھوں کو بینا، کانوں کو شنوا اور زبانوں کو سیدھا فرماتے ہیں۔ جس کا اس حبیب مکرم ﷺ سے جتنا زیادہ تعلق ہوگا، اس کو یہ نعمتیں اتنی ہی وافر مقدار میں حاصل ہوں گی۔ یاد رہے جو زندگی سانس کی آمد و رفت پر منحصر ہے، محدود و فانی ہے مگر جو شخص دل کی زندگی سے زندہ ہے، وہ موت و حیات کے ظاہری پیمانوں سے وراء الورا ہو جاتا ہے۔ اقبال علیہ الرحمہ جن کی ساری تعلیمات کتاب و سنت کے گہرے مطالعے کا فیض ہیں، فرماتے ہیں:

لحد میں بھی وہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا!
ترے وجود کے مرکز سے دُور رہتا ہے

دل زندہ ہی ملت کے امراض کا چارہ و چارہ گر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

پھر حدیث پاک کے لفظ غُلفًا کو ملحوظ رکھتے ہوئے دل کی زندگی سے مراد کائنات یا تجلیات کو بے حجاب دیکھنا بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک اور ارشادِ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سنیے۔

لَوْ لَا اَنَّ الشَّیٰطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْآ اِلَی الْمَلَکُوْتِ۔ (احیاء العلوم ج۔۱)

ترجمہ۔ اگر شیطان انسانوں کے دلوں پر گھیرے نہ ڈالتے تو وہ ملکوت دیکھ لیتے۔

مزید وضاحت کیلئے بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث کی مشہور روایت کے مطابق خدا کے بندہ محبوب کے صفات و کمالات پر غور فرمایئے۔

۔۔۔ فَاِذَآ اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا۔

ترجمہ۔ (۔۔۔۔۔۔) تو جب میں اُسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ "یعنی اللہ کے نور کے جلوے اس کی سماعت، بصارت، گرفت اور رفتار میں آ جاتے ہیں اور اس کے یہ تمام اوصاف عام انسانی تصور سے بے حد زیادہ ہو جاتے ہیں۔"

ان حقائق کی روشنی میں حضور سراپا نور ﷺ کے متبع اور یوں خدا کے محبوب آخر تک موجود رہیں گے اور ان کمالات سماعت و بصیرت و قوت کے ساتھ ممتاز ہو کر عظمتِ اسلام کا نقش دلوں میں بٹھاتے رہیں گے۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اُمت کا ولی تختِ بلقیس آنکھ جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہے تو سلطان الانبیاء علیہم التحیۃ والثناء کا نائب و وارث اس سے بھی زیادہ قوت و تمکنت پر فائز ہونا چاہیے۔ سنیے حضور

غوث اعظم شہنشاہ بغداد کیا فرماتے ہیں۔

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ = لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ = لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ = لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِ

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ = لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ = تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِیْ

منظوم ترجمہ۔

(۱) جو دریاؤں میں اپنا راز ڈالوں، آب ہو غائب
خدا کی شان سے ہر بحر ہوتا پیدا بیدا پر !!

(۲) اگر ڈالوں میں اپنا راز پتھر کے پہاڑوں میں
تو ریگِ دشت کے ذرّوں میں گم ہو جائیں پس پس کر

(۳) اگر ڈالوں میں راز آتش پر تو ٹھنڈی ہو
کچھ اس انداز سے، روشن نہ ہو پھر فرشِ گیتی پر

(۴) اگر ڈالوں میں اپنا راز لوگو! جسم بے جان پر
خدائے پاک کی قدرت سے اٹھے زندگی پا کر

(۵) زمانہ یا مہینہ ایسا دنیا میں نہیں آتا
غلامانہ سلامی جو نہ دے پہلے مرے در پر

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احیائے موتیٰ (مردے زندہ کرنا) اسلام کی حقانیت اور توحید کی عظمت کی دلیل ہے تو حضور غوث پاک کا احیائے موتیٰ اس کی دلیل کیوں نہیں یقیناً ہے اور بزرگان دین کے کردار نے ہی نہیں، ان کی محیر العقول قوتوں نے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کو راہِ حق دکھائی ہے حضرت داتا گنج بخش ہجویری، خواجہ غریب نواز اجمیری، حضرت فریدالدین گنج شکر، سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی شخصیات تھیں جنہوں نے برعظیم کی طاغوتی طاقتوں کو اپنی ایمانی قوتوں سے نیچا دکھایا۔ ان کی نظر کیمیا اثر وہ کام کر جاتی تھی جو بڑے بڑے لشکروں سے نہیں ہوتا۔ سچ فرمایا قلندرِ لاہوری حضرت اقبال نے ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

دُنیا میں ایسے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی جو بہترین اخلاق سے بھی متاثر نہیں ہوتے وہ صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے مدِ مقابل آنے والے جادوگروں نے عصا کا اژدہا بنتا دیکھا تو توحید و رسالت کے قائل ہوئے۔ یونہی اولیائے کرام نے اپنی خداداد قوتوں سے بڑے بڑے سرکشوں کو زیر کیا تو دیکھنے والے تاڑ گئے کہ جسے یہ اپنا خدا کہتے ہیں یقیناً وہی وحدہ لاشریک لہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے تخت و تاج والے جب پریشان اور بے بس ہو کر اللہ والوں کے حضور فریاد لے کر آئے، انکی رحمت جوش میں آ گئی اور بادشاہ نما گداؤں کا کام بنا گئی اور جب کسی باجبروت و مغرور تاجدار نے ان بوریہ نشینوں سے ٹکر لی تو ان کی نظرِ قہران کا کام تمام کر گئی بقول شاعر

میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے!

وہ کیا لرزا دینے والا انداز تھا حضرت سیدنا بوعلی شرف قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ کا جب آپ نے علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق شہنشاہِ ہند علاؤالدین خلجی کو لکھ بھیجا تھا۔

باز گیرایں عامل بد گوہرے
ورنہ بخشم ملک تو بادیگرے

(اس بدنہاد حاکم کو برطرف کر دے ورنہ میں تیری بادشاہی کسی دوسرے کو بخش دوں گا)

کہتے ہیں بادشاہ تحریر دیکھ کر واقعی لرزہ براندام ہو گیا تھا اور اس نے بڑی مشکل سے حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے ذریعے آپ کو راضی کیا۔ آج بھی اللہ والوں کا جاہ وجلال اور ہیبت حق لوگوں کو دعوت ایمان یا دعوت توبہ دیتی ہے۔

سیدی وسندی حضور نقش لاثانی قدس سرہ سراپا شفقت تھے۔ اس کے باوجود ہم نے اپنی آنکھوں سے بڑے بڑے کر و فر والوں کو آپ کی بارگاہ میں دم بخود دیکھا اور وہ لوگ جنہیں دنیا بہت کچھ سمجھتی تھی، یہاں کچھ بھی نہیں، نظر آتے تھے۔ حضور کا ذرا سا تغافل بے چین کیے دیتا تھا اور ایک تبسم دل کی مرجھائی کلیوں کو گل تو بہار بنا دیتا تھا۔

مختصر یہ کہ مردانِ حق کی کرامت وقوت بھی راہِ حق کی دلیل ہوتی ہے اور کئی لوگ اسی راہ سے اپنے اللہ تک پہنچتے ہیں۔ مگر یہ انکی بے مثال طاقت کا محض ایک پہلو ہے اس سے نمایاں تر بات یہ ہے وہ اپنی کرامات سے دُور دراز رہنے والے غلاموں کی مدد بھی فرماتے ہیں، عقیدتمند کسی شدید اُلجھن کا شکار ہو جائیں تو اللہ کے یہ بندے ان کی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ جہاں دُنیا بھر کے لوگ کسی کی مایوسی و نامرادی ختم کرنے سے عاجز آ جائیں، وہاں انکا دستِ دُعا ان کی اُمید و آرزو کو از سرِ نو زندگی بخشتا ہے۔ جہاں آفت و مصیبت نے ڈیرا ڈالا ہوا ہو، وہاں یثرب کو طیبہ بنانے والے آقا (علیہ التحیۃ والثناء) کے سچے غلام رحمت و برکت کے سائبان تان دیتے ہیں۔ یہ رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کے نائب و وارث ہوئے ہیں، حضور پُر نور ﷺ نے خود اپنی امت کو ان کا پتہ بتایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: **اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ اِلٰی ذَوِی الرَّحْمَةِ مِنْ اُمَّتِیْ تُرْزَقُوْا وَفِی لَفْظٍ اُطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ الرُّحَمَآءِ مِنْ اُمَّتِیْ تَعِیْشُوْا فِیْ اَکْنَافِهِمْ فَاِنَّ فِیْهِمْ رَحْمَتِیْ** (الامن والعلی بحوالہ عقیلی وطبرانی وغیرہ) ترجمہ۔ مرے رحمدل امتیوں سے حاجتیں مانگو۔ ان سے فضل طلب کرو، رزق پاؤ گے، ان کے دامن میں آرام سے رہو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔ ان کی یہی مشکل کشائی تھی جس نے مشکلات میں گھرے ہوئے لاکھوں افراد کو راہِ حق دکھائی۔

مردانِ حق کے مزارات: اللہ والوں کے فیوض و برکات ان کی حیات دُنیوی تک ہی نہیں رہتے بلکہ دنیا سے جانے کے بعد ان میں بدرجہا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی مقدس قبروں میں بالکل زندہ ہوتے ہیں اور کبھی کسی وجہ سے ان کی قبر میں کوئی سوراخ وغیرہ ہو جائے تو ان کا بدن و کفن اپنی سالمیت کے ساتھ اسلام کی حقانیت کا خاموش اعلان کرتا ہوتا ہے۔ (سائنس کے اس دور میں یہ بات کتنی حیرت انگیز نظر آتی ہے کہ سالوں بلکہ صدیوں پہلے کا دفن کیا ہوا شخص پوری طرح صحیح و سالم ہے، آخر کیوں؟ اگر اس کی وجہ ایمان و عرفان نہیں تو کسی کافر، مشرک اور منافق کی قبر میں ایسا کیوں نہیں ہوتا) ابھی چند سال پہلے حضور ﷺ کے والدِ ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں کھولی گئیں تو مدینہ منورہ میں زائرین اور ساکنین کے ایک جم غفیر نے ان کے بدن و کفن کو بالکل درست حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ان اللہ والوں میں بعض نماز و تلاوت میں بھی مصروف دیکھے گئے ہیں اور بعض کی آواز قرأت بھی سنی جاتی رہی ہے جیسا کہ حضرت ثابت بنانی علیہ الرحمہ (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے شرح الصدور

مصنفہ امام سیوطی قدس سرہ) پھر انکی قبروں پر دعاؤں کا (اللہ کی بارگاہ میں) زیادہ قبول ہونا بھی مسلم رہا ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی علیہ الرضوان فرماتے ہیں **قَبْرُ مُوْسَى الْكَاظِمِ تِرْيَاقٌ مُجَرَّبٌ لِاِجَابَةِ الدُّعَاءِ** یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار قبولیت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور) بلکہ صاحب قبر کی توجہ کا اثر بھی مرادات کے حصول میں مجرب مانا جاتا رہا ہے۔ خواجہ اجمیر نے داتا ہجویر (علیہما الرحمہ) کے مزار پر چلہ کشی کر کے اسی اثر کی تصدیق یوں فرمائی تھی۔

گنج بخش فیض عالم ، مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل ، کاملاں را رہنما

ہم نے اپنی آنکھوں سے داتا کے دربار میں سکھوں کو حاضر ہوتے دیکھا جنہوں نے برملا کہا کہ قیام لاہور کے دوران (تقسیم ملک سے پہلے) ہمیں جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی یہیں حاضر ہوتے تھے اور ان کے طفیل ہماری بگڑی بن جاتی تھی۔ فرمایئے کیا یہ فیض حق ناشناسوں کو راہ حق نہیں دکھاتا اور اسلام کی دلیل نہیں بنتا۔ ان اولیائے کرام کے مزارات کی برکات کا کچھ تفصیلی جائزہ لینا ہو تو محترم عبدالحق ظفر چشتی صاحب کی کتاب "جسمانی امراض کے روحانی شفا خانے" کا مطالعہ کیجئے جس کا خلاصہ ماہنامہ انوار لاثانی بابت مارچ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا ہے۔

ان مزارات کے فیوض کا ایک پہلو ذکر وفکر کی توفیق اور قبولیت ہے۔ آج تلاوت قرآن اور درود وسلام کی محفل کا اہتمام کیا جائے تو فرمایئے کتنے اہل ذوق شامل ہوں گے۔ پھر داتا صاحب قدس سرہ کے آستانے پر حاضر ہو کر دیکھئے ہر وقت تلاوت، نماز اور اوراد وظائف کرنے والوں کا ایک ہجوم سا لگا رہتا ہے، انہیں کس نے بلایا ہے، یہاں کون نہیں ذکر وفکر کی تلقین کر رہا ہے اور اپنے گھر میں وہ سکون نہیں ملتا جو یہاں مل رہا ہے۔ یہ کس کی برکت ہے؟ بعض وہ ہیں جن کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے چنانچہ پاکستان کا مشہور شاعر اور وکیل اثر صہبائی بقول خود جدی پشتی اہل حدیث تھا، داتا صاحب کے دربار کی پہلی حاضری نے اسے راہ حق دکھا دی اور وہ ہمیشہ کیلئے سرکار دو عالم ﷺ کا سچا غلام بن گیا۔ میاں عبدالرشید (نوائے وقت کے صاحب نور بصیرت) کو بھی داتا صاحب ہی نے صحرائے نجد سے نکالا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کالج کی پڑھائی کے زمانے میں میں نے اپنے فلسفہ زدہ اُستاد پروفیسر تجمل حسین راٹھور (ایم۔اے انگلش) کو رات گئے حضرت امام علی الحق علیہ الرحمہ کے دربار پُر انوار (سیالکوٹ) میں دیکھا تو حیرت سے پوچھا سر آپ ادھر کہاں؟" تو فرمانے لگے "آسی! مجھے یہاں سکون ملتا ہے۔"

اہل قبور کے ان تصرفات کو دیکھنا ہو تو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ القوی کی کتاب انفاس العارفین، کا مطالعہ کیجئے۔ حجۃ المحدثین حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ کی شرح الصدور اور دیگر بزرگان دین کی تصانیف اس باب میں بھی کافی رہنما کرتی ہیں۔

مردانِ حق کے تذکرے مردان حق کے تذکرے بھی راہ حق کی طرف بلاتے ہیں اور طالبان حق کو منزل مقصود کی نشاندہی کرتے ہیں۔ بندگان خدا کی داستانیں ذکر وفکر، کیف ومستی، عشق ومحبت صبر واستقامت، زہد وعبادت، تسلیم ورضا، توکل وتفویض اور اخلاص ومروت کی داستانیں ہیں لہٰذا انہیں پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر

نہیں رہ سکتا۔ قرآن وحدیث نے ایمان عرفان کا جو مفہوم بیان کیا ہے عمل صالح اور خلق حسن کا جو تصور پیش کیا ہے، زندگی گزارنے کے جو آداب سکھائے ہیں، حق وصداقت کا علمبردار بن کر اس کی حفاظت واشاعت کے جو سلیقے تلقین فرمائے ہیں، ان سب کی عملی تفسیر حضرات اولیائے کرام علیہم الرحمہ کی سیرت میں ملتی ہے۔

> **اللہ والوں کے تذکرے رحمتِ خداوندی کو جوش میں لاتے ہیں اور ان کی برکت سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں**

انسان جب تلخی حالات میں محصور ہو جاتا ہے، اپنے پرائے بن جاتے ہیں، زبان پر پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ ضمیر کے مطابق عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے، اس وقت جگر گوشہ رسول سیّدنا امام حسین کے سچے غلام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، سیدنا امام احمد بن حنبل اور حضور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہم کی داستانیں دلوں کو ولولہ تازہ بخشتی ہیں اور وقت کے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہہ کر بہترین جہاد کیلئے تیار کرتی ہیں، ان کی شب بیداری، نفس کشی اور للّٰہیت کے قصے غفلت وشہوت کے پردے چاک کر دیتے ہیں اور حرص وہوا میں گھرا ہوا انسان ہر دام سے نکل کر طائر لاہوتی، بننے کی کوشش کرتا ہے۔ سنگ دل لوگ سوز وگداز سے بھرے ہوئے ان واقعات سے رقتِ قلب کی دولت حاصل کرتے ہیں اور غرور وتکبر کے پیکر عجز ونیاز سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ فرید الدین عطار قدس سرہ العزیز اپنی بے مثال کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' کی وجہِ تصنیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تیرھویں وجہ یہ ہے کہ چند خصوصیات کی بناء پر قرآن وحدیث کے بعد اولیائے کرام کا کلام ہی افضل ترین ہے۔ ان میں سے:۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کا کلام دنیا کی محبت دل سے نکال پھینکتا ہے۔

دوم یہ کہ ان کے کلام سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے

سوم یہ کہ ان کے کلام کی برکت سے خدا کی دوستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

چہارم یہ کہ ان حضرات کا کلام سننے سے زادِ آخرت جمع کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا انہی چند خصوصیات کی بناء پر اس تصنیف کو ضروری خیال تا کہ یہ نامردوں کو مرد، مردوں کو شیر، شیروں کو فرد اور فرد کو اہل درد بنا دے۔''

حضرت امام یوسف علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ جس وقت دنیا میں اولیائے کرام کا وجود نظر نہیں آئے گا کیا کرنا چاہیئے تا کہ لغویات وخرافات سے محفوظ رہ سکیں؟ فرمایا ''اولیائے کرام کے حالات کا ایک جزو روزانہ پڑھ لیا کرنا''۔ (تذکرۃ الاولیاء)

حضرت بو علی دقاق سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اولیائے کرام کے حالات سننے کے بعد ان پر عمل پیرا بھی نہ ہو تو کیا (محض سننے سے) فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ فرمایا، پھر بھی دو فائدے ہیں۔

ا۔ اگر اس میں حقیقت کی طلب ہوگی تو اس میں اضافہ ہو جائے گا

۲۔ مغرور بندے کے غرور میں کمی پیدا ہوگی۔

شیخ امام عارف ربانی ابو یعقوب یوسف بن ایوب صمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا، یا حضرت جب اہل اللہ ہم سے روپوش ہو جاتے ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے تا کہ ہم سلامت رہ سکیں فرمایا ''ان کی باتیں دہراتے رہو''۔ ایک ولی کامل نے فرمایا تھا کہ کاش کوئی ایسا شخص ملے جو بندگانِ خدا کی باتیں کرتا جائے اور میں سنتا جاؤں یا میں سناتا جاؤں اور وہ سنتا جائے۔ اگر جنت میں اہل اللہ کے

متعلق گفتگو نہیں ہوگی تو ہمیں جنت سے کیا کام۔

(رسالہ قدسیہ از حضرت خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمہ مترجم)

اگر یہ تذکار راہ حق کی طرف رہنمائی نہ کرتے تو آخر کتاب وسنت میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام کا ذکر کیوں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خداوند کریم کو اپنے محبوبوں کا ذکر اس قدر محبوب ہے کہ قرآن حکیم میں ان سے تعلق رکھنے والے بعض جانوروں کا ذکر بھی بڑے اہتمام سے فرمادیا۔ اصحاب الکہف امت عیسوی کے اولیاء ہی تو تھے، ان کی نسبت سے سورۃ کا نام سورۃ الکہف رکھا اور اُن کے ساتھ ساتھ ان کے وفادار کتے کا ذکر بھی فرمایا دیا۔ سورۃ البقرہ میں جس ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا لگا کر بنی اسرائیل کا مُردہ زندہ کرنے کا واقعہ آیا ہے، وہ بھی ایک مردِ حق کی گائے تھی اور اسی کی نسبت سے سورۃ کو سورۃ البقرہ (یعنی گائے کی سورۃ) کہا گیا۔ دنیا میں اولیاء اللہ کے عرس منائے جاتے ہیں یا اُن کے حالات پر کتابیں لکھی جاتی ہیں تو یہ اسی سنت الٰہیہ کے مطابق ہے بلکہ **فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ** (سو تم میری یاد کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا۔ البقرہ) کے ربانی وعدے کا ظہور ہے۔

اللہ والوں کے تذکرے رحمتِ خداوندی کو جوش میں لاتے ہیں اور ان کی برکت سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

ذِكْرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنَ الْعِبَادَةِ وَذِكْرُ الصَّالِحِينَ كَفَّارَةٌ وَذِكْرُ الْمَوْتِ صَدَقَةٌ وَذِكْرُ الْقَبْرِ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ ۔ (الجامع الصغیر)

ترجمہ۔ (روایت ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور ہادی کونین ﷺ نے فرمایا) انبیاء کا ذکر عبادت کا حصہ ہے اور صالحین (یعنی اولیاء اللہ) کا ذکر (گناہوں کا) کفارہ ہے اور موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کو یاد رکھنا تمہیں جنت سے قریب کردیگا۔

اولیائے کرام کے تذکرے سے ان کی محبت پیدا ہوتی ہے اور چونکہ یہ محبت محض خدا کیلئے ہوتی ہے لہٰذا ایمان کامل کی علامت اور بہترین عمل ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے۔

١۔ مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطَى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ ۔ (ابوداؤد شریف) ترجمہ۔ جس نے اللہ کیلئے محبت کی اور اللہ کیلئے بغض رکھا اور اللہ کیلئے دیا اور اللہ ہی کیلئے نہ دیا تو اس نے (اپنا) ایمان مکمل کرلیا۔

٢۔ إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (احمد۔ ابوداؤد) ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض ہے۔

مختصر یہ کہ بہت سے لوگ ان تذکروں کی برکت سے راہ راست پر آجاتے ہیں اور دنیا و آخرت کی کامیابی سے مشرف ہوجاتے ہیں۔ اس عاجز نے سیدی وسندی حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کی سیرت طیبہ "انوار لاثانی" لکھی تو بعض غلط عقیدے کے لوگ بھی بحمدہ تعالیٰ صراط مستقیم پر آگئے۔

(فالحمد اللہ و الصلوۃ و السلام علی حبیب اللہ و رحمۃ اللہ الواسعۃ علی سیدی و مرشدی)

اصلاحِ معاشرہ

بچوں کی پرورش

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی

پرورش کی مروجہ رسمیں:

عام مسلمانوں میں یہ مشہور ہے کہ لڑکے کو دو سال ماں اپنا دودھ پلائے اور لڑکی کو سوا دو سال، یہ بالکل غلط ہے، مسلمانوں میں یہ طریقہ ہے کہ بچپن میں اولاد کے اخلاق وآداب کا خیال نہیں رکھتے۔ غریب لوگ تو اپنے بچوں کو آوارہ لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اوران کی تعلیم کا زمانہ خراب صحبتوں اور کھیل کود میں برباد کر دیتے ہیں۔ وہ بچے یا تو جوان ہو کر بھیک مانگتے پھرتے ہیں یا ذلت کی نوکریاں کرتے ہیں یا ڈاکو چور اور بدمعاش بن کر اپنی زندگی جیل خانہ میں گزار دیتے ہیں۔ اور مالدار لوگ اپنے بچوں کو شروع سے شوقین مزاج بناتے ہیں۔ انگریزی بال رکھنا فضول خرچ کرنا سکھاتے ہیں ہر وقت بوٹ وسوٹ وغیرہ پہناتے ہیں پھر اپنے ساتھ سینما اور ناچ کی مجلسوں میں انہیں شریک کرتے ہیں۔ جب یہ نونہال کچھ ہوش سنبھالتا ہے تو اس کو کلمہ تک نہ سکھایا۔ کالج یا سکول میں ڈال دیا۔ جہاں زیادہ خرچ کرنا، فیشن ایبل بننا سکھایا گیا۔ خراب صحبتوں سے صحت اور مذہب دونوں برباد ہو گئے۔ اب جب نونہال کالج سے باہر آئے تو اگر خاطر خواہ نوکری مل گئی تو صاحب بہادر بن گئے کہ نہ ماں کا ادب جانیں نہ باپ کو پہچانیں۔ نہ بیویوں کے حقوق کی خبر، نہ اولاد کی پرورش سے واقف، ان کے ذہن میں اعلیٰ ترقی یہ آئی کہ ہم کو لوگ انگریز سمجھیں بھلا اپنے آپ کو دوسری قوم میں فنا کر دینا بھی کوئی ترقی ہے۔ اگر کوئی معقول جگہ نہ ملی تو ان بیچاروں کو بہت مصیبت پڑتی ہے۔ کیونکہ کالج میں خرچ کرنا سیکھا۔ کمانا نہ سیکھا۔ کھلانا نہ سیکھا۔ اپنا کام نوکروں سے کرانا سیکھا خود کرنا نہ سیکھا۔

> **لڑکی کو سوا دو سال دودھ پلانا جائز نہیں لڑکی ہو یا لڑکا دونوں کو دو دو سال دودھ پلایا جائے**

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

اب یہ لوگ کالج کی سی زندگی گزارنے کیلئے شریف بدمعاش ہو جاتے ہیں یا جعلی نوٹ بنا کر اپنی زندگی جیل میں گزارتے ہیں یا ڈاکو بدمعاش بنتے ہیں۔ (اکثر ڈاکو تعلیم یافتہ کر کے پکڑے گئے) یہ وہی لوگ ہیں۔

بچوں میں نقل کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے۔ جو کچھ ماں باپ کو کرتے دیکھتے ہیں وہی خود بھی کرتے ہیں

ان رسموں کی خرابیاں:

لڑکی کو سوا دو سال دودھ پلانا جائز نہیں لڑکی ہو یا لڑکا دونوں کو دو دو سال دودھ پلایا جائے ۔ قرآن کریم فرماتا ہے

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۔

ماں باپ چاہیں تو دو سال سے پہلے دودھ چھوڑا دیں، مگر دو سال کے بعد دودھ پلانا منع ہے۔ جو بچے کہ پرورش کے زمانہ میں اچھی صحبتیں نہیں پاتے، وہ جوان ہو کر ماں باپ کو بہت پریشان کرتے ہیں ہم نے بڑے فیشن ایبل صاجزادوں کے ماں باپ کو دیکھا ہے کہ وہ روتے پھرتے ہیں۔ مفتی صاحب تعویذ دو جس سے بچہ کہنا مانے، ہمارے قبضے میں آوے۔ مگر دوستو! فقط تعویذ سے کام نہیں چلتا۔ کچھ ٹھیک عمل بھی کرنا چاہیئے۔

ایک بڑھے نے اپنے فرزند کو ولایت پڑھنے کیلئے بھیجا جب برخوردار فارغ ہو کر وطن آنے لگا تو بڈھا باپ استقبال کیلئے اسٹیشن پر گیا لڑکے نے گاڑی سے اتر کر باپ سے پوچھا، ویل بڈھا تو اچھا ہے۔؟ اس لائق بیٹے کے دوستوں نے پوچھا۔ کہ صاحب بہادر یہ بڈھا کون ہے؟ فرمانے لگا۔ میرا آشنا ہے۔ بڈھے باپ نے کہا صاحبو! میں صاحب بہادر کا آشنا نہیں۔ بلکہ ان کی والدہ کا آشنا ہوں یہ اس نئی تہذیب کے نتیجے ہیں۔

حضرت مولانا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ جو سلطان غازی محی الدین عالمگیر اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے استاد اور شاہجہاں کے یہاں بہت اچھی حیثیت سے ملازم تھے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک بار جمعہ کے وقت مولانا کے والد معمولی لباس میں جامع مسجد دہلی میں آئے اس وقت مولانا شاہجہاں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے پہلی صف سے اٹھ کر بھاگے اپنے باپ کی جوتیاں صاف کیں۔ گرد وغبار اپنے عمامہ سے جھاڑا حوض پر لا کر وضو کرایا۔ اور خاص شاہجہان کے برابر لا کر بٹھا دیا۔ اور کہا کہ یہ میرے والد ہیں۔ نماز کے بعد شاہجہاں بادشاہ نے ان سے کہا آپ ٹھہرو شاہی مہمان بنو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ میرا بچہ آپ کے یہاں رہ کر مسلمان رہا ہے یا بے دین بن گیا ہے پہچانے گا یا نہیں۔ الحمد للہ بچہ مسلمان ہے۔

گندم از گندم بروید جوز جو!
از مکافاتِ عمل غافل مشو

جیسا بونا ویسا کاٹنا۔

بچوں کی پرورش کا اسلامی طریقہ:

لڑکے اور لڑکی کو دو سال سے زیادہ دودھ نہ پلاؤ۔ جب بچہ کچھ بولنے کے لائق ہو تو اسے اللہ کا نام سکھاؤ۔ پہلے مائیں اللہ اللہ کہہ کر بچوں کو سلاتی تھیں۔ اور اب گھر کے ریڈیو اور گراموفون باجے بجا کر بہلاتی ہیں۔ جب بچہ سمجدار ہو جاوے تو اس کے سامنے ایسی حرکت نہ کرو جس سے بچے کے اخلاق خراب ہوں۔ کیونکہ بچوں میں نقل کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے۔ جو کچھ ماں باپ کو کرتے دیکھتے ہیں وہ ہی خود بھی کرتے ہیں۔ ان کے سامنے نمازیں پڑھو قرآن پاک کی تلاوت کرو۔ اپنے ساتھ مسجدوں میں نماز کیلئے لے جاؤ اور ان کو بزرگوں کے قصے کہانیاں سناؤ، بچوں کو کہانیاں سننے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ سبق آموز کہانیاں سُن کر اچھی عادتیں پڑیں گی۔ جب اور زیادہ ہوش سنبھالیں تو سب سے پہلے ان کو پانچوں کلمے (ایمان مجمل۔ ایمان مفصل، پھر نماز سکھاؤ۔ کسی متقی یا حافظ یا مولوی کے پاس کچھ روز بٹھا کر

قرآن پاک اور اردو کے دینیات کے رسالے ضرور پڑھواؤ جس سے بچہ معلوم کرے کہ میں کس درخت کی شاخ اور کس شاخ کا پھل ہوں۔ اور پاکی پلیدی وغیرہ کے احکام یاد کرے اگر حق تعالیٰ نے آپ کو چار پانچ لڑکے دیئے ہیں تو کم از کم ایک لڑکے کو عالم یا حافظ قرآن بناؤ کیونکہ ایک حافظ اپنی تین پشتوں کو اور عالم سات پشتوں کو بخشوائے گا۔ یہ خیال محض غلط ہے کہ عالم دین کو روٹی نہیں ملتی۔ یقین کر لو کہ انگریزی پڑھنے سے تقدیر سے زیادہ نہیں ملتا۔ عربی پڑھنے سے آدمی بدنصیب نہیں ہو جاتا ملے گا وہی جو رازق نے قسمت میں لکھا ہے بلکہ تجربہ ہے کہ اگر عالم پورا عالم اور صحیح العقیدہ ہو تو بڑے آرام میں رہتا ہے اور جو لوگ اردو کی چند کتابیں دیکھ کر وعظ گوئی کو بھیک کا ذریعہ بنا لیتے ہیں کہ وعظ کہہ کر پیسہ پیسہ مانگنا شروع کر دیا۔ ان کو دیکھ کر عالم دین سے نہ ڈرو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا بچپن آوارگی میں خراب کر دیا ہے اور اب مہذب بھکاری ہیں۔ ورنہ علمائے دین کی اب بھی بہت قدر و عزت ہے جب گریجویٹ مارے مارے پھرتے ہیں تو مدرسین علماء کی تلاش ہوتی ہے اور نہیں ملتے۔ اپنے لڑکوں کو شوقین مزاج خرچیلہ نہ بناؤ۔ بلکہ ان کو سادگی اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا سکھاؤ، کرکٹ، ہاکی، فٹ بال ہرگز نہ کھیلاؤ۔ کیونکہ یہ کھیل کچھ فائدہ مند نہیں، بلکہ ان کو نبوٹ لکڑی کا ہنر، ڈنڈ، کسرت، کشتی کا فن اگر ممکن ہو تو تلوار چلانا وغیرہ سکھاؤ۔ جس سے تندرستی بھی اچھی رہے اور کچھ ہنر بھی آ جائے اور تاش بازی اور پتنگ بازی، کبوتر بازی، سینما بازی سے بچوں کو بچاؤ۔ کیونکہ یہ کھیل حرام ہے۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ بچوں کو علم کے ساتھ کچھ دوسرے ہنر بھی سکھاؤ جس سے بچہ کما کر اپنا پیٹ پال سکے۔ یہ سمجھ لو کہ ہنر مند بھی خدا کے فضل سے بھوکا نہیں مرتا۔ اس مال و دولت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان باتوں کے ساتھ انگریزی سکھاؤ کالج میں پڑھاؤ، جج بناؤ۔ کلکٹر بناؤ دنیا کی ہر جائز ترقی کراؤ مگر پہلے اس کو ایسا مسلمان کر دو کہ کوٹھی میں بھی مسلمان ہی رہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ قادیانیوں اور رافضیوں کے بچے گریجویٹ ہو کر کسی عہدے پر پہنچ جائیں۔ مگر اپنے مذہب سے پورے واقف ہوتے ہیں۔ مسلمان کے بچے ایسے ہوتے ہیں کہ مذہب کی ایک بات بھی نہیں جانتے۔ خراب صحبت پا کر بے دین بن جاتے ہیں جس قدر لوگ قادیانی، نیچری وغیرہ بن گئے، یہ سب پہلے مسلمان تھے اور مسلمانوں کے بچے تھے۔ مگر اپنی مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے بدمذہبوں کا شکار ہو گئے۔ یقین کرو کہ اس کا وبال ان کے ماں باپ پر ضرور پڑے گا۔

صحابہ کرام کی پرورش بارگاہ نبوت میں ایسی کامل ہوئی کہ جب وہ میدان جنگ میں آتے تو اعلیٰ درجہ کے غازی ہوتے تھے اور مسجد میں آ کر اعلیٰ درجہ کے نمازی گھر بار میں پہنچ کر اعلیٰ درجہ کے کاروباری کچہری آ کر اعلیٰ درجہ کے قاضی ہوتے تھے اپنے بچوں کو اس تعلیم کا نمونہ بناؤ، اگر دین و دنیا میں بھلائی چاہتے ہو تو یہ کتابیں خود بھی مطالعہ میں رکھو اور اپنی بیوی بچوں کو پڑھاؤ، بہار شریعت، مصنفہ حضرت مولانا امجد علی صاحب، کتاب العقائد مصنفہ مولانا مرشدہ و استاذہ مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب دام برکاتہم العالیہ، شان حبیب الرحمٰن سلطنت مصطفیٰ مصنفہ فقیر حقیر پر از تقصیر احمد یار خاں نعیمی۔

لڑکیوں کو کھانا پکانا، سینا، پرونا اور گھر کے کام کاج، پاکدامنی اور شرم و حیا سکھاؤ کہ یہ لڑکیوں کا ہنر ہے۔

خبر نامہ

شمس الدین نقشبندی

(اہم اجلاس)

مورخہ 16 جون کو شیران اسلام پاکستان، تحصیل شکر گڑھ کا ایک اہم اجلاس زیر صدارت طالب علم راہنما جناب رانا محمد امیر خاں، بمقام نقش لاثانی نگر شکر گڑھ میں منعقد ہوا۔ جس میں ماہنامہ مجلۃ الحقیقہ کی ترویج و ترقی کو مزید فعال بنانے کیلئے شیران اسلام کے اراکین جناب حافظ عبدالرزاق پورن، جناب افتخار احمد ممنون، جناب عرفان احمد باجوہ، جناب رانا عطاء الحق نے اپنی اپنی تجاویز و آراء سے مستفید فرمایا۔ اور طے پایا کہ الحقیقہ کو ملک کے کونے کونے میں متعارف کروانے کیلئے بھرپور کاوشیں بروئے کار لائی جائیں۔ اجلاس کے شروع میں مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا ضیاء اللہ قادری کے وصال شریف پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور فاتحہ خوانی کی گئی۔

(رابطہ مہم)

شیران اسلام کے زیر اہتمام ماہنامہ مجلۃ الحقیقہ کی ترسیل کو مزید بہتر بنانے کے سلسلہ میں رابطہ مہم کا آغاز شکر گڑھ شہر سے کیا گیا ہے۔ یہ رابطہ گردو نواع کے گاؤں اور قصبات میں پھیلتا جائے گا اس طرح پورے ملک میں اسکی ترسیل کو یقینی بنایا جائے گا۔ اس رابطہ مہم کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ جو درج ذیل اراکین پر مشتمل ہے۔

جناب حافظ عبدالرزاق پورن، جناب افتخار احمد ممنون، جناب عرفان احمد باجوہ، جناب رانا عطاء الحق فیض۔

درج بالا کمیٹی نے تحصیل شکر گڑھ اور نارووال کے مختلف قصبات و دیہات کے نوجوانوں سے رابطہ کر کے انہیں مجلۃ الحقیقہ کا مستقل قاری بننے کیلئے رغبت دلائی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کمیٹی بھرپور انداز میں اس نیک کام کو آگے بڑھاتی چلی جائے گی۔

(مبارک باد)

شیران اسلام پاکستان تحصیل شکر گڑھ اور سیالکوٹ کے زیر انتظام چلنے والے سکول نقش لاثانی پبلک سکول شکر گڑھ اور نقش لاثانی پبلک سکول سیالکوٹ میں میٹرک کے شاندار نتائج پر ادارہ مجلۃ الحقیقہ انہیں مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اور دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں مزید کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرے۔ (آمین)

❁❁❁

منقبت

پروفیسر محمد حسین آسی

خدائے ہر دو عالم ہے خدائے نقش لاثانی
فلاحِ ہر دو عالم ہے برائے نقش لاثانی

نبی حاجت روا ، حاجت روائے نقش لاثانی
علی مشکلکشا مشکلکشائے نقش لاثانی

متاعِ زندگی کیا ہے ، ولائے نقش لاثانی
شعورِ زندگی کیا ہے رضائے نقش لاثانی

سخاوت ان کی فطرت ہے عنایت ان کی عادت ہے
تہی دامن رہے پھر کیوں گدائے نقش لاثانی

دل وجاں بھی ہیں تیرہ اور مقدر بھی نہیں روشن
ادھر بھی اک جھلک ہاں اے ضیائے نقش لاثانی

نظر ، طرز بیاں ، بندہ نوازی ، چارہ فرمائی
سراپا حسن ہے ہر ہر ادائے نقش لاثانی

انہیں دیکھا ، خدا کی یاد آئی ، دل چمک اٹھا
علاجِ دردِ غفلت ہے لِقائے نقش لاثانی

عبادت میں ہے شامل ذکر اولاد پیمبر ﷺ کا
وظیفہ ہے مرا مدح وثنائے نقش لاثانی

سموم وقت کے جھکڑ مرے ایماں کے درپے تھے
تو اب اسلام ہے میر اعطائے نقش لاثانی

تخیل کیا سمجھ سکتا ہے شانِ انتہاء ان کی
گماں سے جب ہے بالا ابتدائے نقش لاثانی

خدا بخشے گا ان کے نام لیواؤں کو محشر میں
وہاں بھی پورا ہو گا مدعائے نقش لاثانی

قدم بوسی کرو شاہو ، سلامی دو شہنشاہو
کہ آسی ہے گدائے بینوائے نقش لاثانی

"ماهنامہ مجلة الحقیقہ" شکر گڑھ، رجسٹرڈ نمبر سی پی ایل=590

مجلة الحقیقہ

درج ذیل پتہ جات سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے

اندرون ملک

۱۔ تربیلا ڈیم ← علامہ محمد صدیق ضیاء انجینئر

۲۔ حافظ آباد ← محمد یوسف حضوری ریلوے روڈ

۳۔ ڈسکہ ← حافظ بک ڈپو کلا تیلیانوالہ

۴۔ سیالکوٹ ← محمد عارف نقشبندی نقش لاثانی ہائی سکول مہر ٹاؤن

۵۔ راولپنڈی ← لاثانی بک سنٹر حق نواز روڈ گلاس فیکٹری

۶۔ سانگلہ ہل ← صاحبزادہ نور المصطفیٰ رضوی

۷۔ شیخوپورہ ← رانا طلعت محمود ڈیرہ سینگو والیاں حافظ آباد روڈ

۸۔ علی پور چٹھہ ← مولانا شفقات احمد نقشبندی نئی آبادی

۹۔ فیصل آباد ← رانا شوکت محمود نزد علیم مارکیٹ ستیانہ روڈ

۱۰۔ لاہور ← حافظ بک ڈپو کشمیر روڈ نیو شادباغ لاہور

بیرون ممالک

۱۔ امریکہ ← رانا محمد سلیم BROOK LYN NY-11218

۲۔ انگلینڈ ← یاسر محمود LANCA SHIRE POST CODE BL-9-DA.

۳۔ جرمنی ← منظور حسین 70376 STUTT GART.

۴۔ سپین ← کاشف خان 46025 VALENCIA.